محبت کے خطوط

خلیل جبران





جبران بنام مے زیدہ

۲ر جنوری ۱۹۱۴ء
۲۴ر جنوری ۱۹۱۹ء
۷ر فروری ۱۹۱۹ء
۱۰ر مئی ۱۹۱۹ء
۱۱ر جون ۱۹۱۹ء
۲۵ر جولائی ۱۹۱۹ء
۹ر نومبر ۱۹۱۹ء
۲۸ر جنوری ۱۹۲۰ء
۳ر نومبر ۱۹۲۰ء
۱۱ر جنوری ۱۹۲۱ء
۶ر اپریل ۱۹۲۱ء
۱۲ر مئی ۱۹۲۱ء
۳۰ر مئی ۱۹۲۱ء
۹ر مئی ۱۹۲۲ء
۵ر اکتوبر ۱۹۲۳ء
۳ر نومبر ۱۹۲۳ء
۸ر نومبر ۱۹۲۳ء
۲ر دسمبر ۱۹۲۳ء
یکم دسمبر ۱۹۲۳ء
۳ر دسمبر ۱۹۲۳ء
۳۱ر دسمبر ۱۹۲۳ء
۱۷ر جنوری ۱۹۲۴ء
۲۶ر فروری ۱۹۲۴ء
۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء
۱۲ر جنوری ۱۹۲۵ء
۲۸ر مارچ ۱۹۲۵ء
۳۰ر مارچ ۱۹۲۵ء
مئی ۱۹۲۷ء
۱۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء

مے زیدہ بنام جبران

۱۲ر مئی ۱۹۱۲ء

مے زیدہ

(تعارف)

مے زیدہ ۱۱ر فروری ۱۸۸۶ء میں فلسطین میں پیدا ہوئی۔ اس کا باپ لبنانی تھا اور اُس کا نام الیاس زخور زیدہ تھا' جبکہ ماں فلسطینی تھی۔ ۱۹۰۸ء میں وہ اپنے والدین کے ساتھ قاہرہ میں منتقل ہوگئی جہاں اس کے باپ کو اچھی ملازمت مل گئی تھی اور وہ ترقی کرتا ہوا روزنامہ "المحروسہ" کا منیجنگ ڈائریکٹر بن گیا۔ قاہرہ جیسے تاریخی شہر نے مے زیدہ کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کی جانب طبیعت مائل تھی۔ ۱۹۱۱ء میں پچیس برس کی عمر میں مے زیدہ کی فرانسیسی زبان میں تنقید پر ایک کتاب "Fleurs de reve" شائع ہوئی۔ ابتدائی طور پر قلمی نام "آئسس کوپیا" منتخب کیا۔ بعد ازاں "رفعت خالد" بھی استعمال کیا۔ لیکن پھر اپنے ہی نام سے چھپنے لگی۔

ایک نقاد کی حیثیت سے ہی مے زیدہ کا خلیل جبران سے تعارف ہوا۔ وہ اس سے متاثر تھی اور اس کی تحریروں پر بھی خلیل جبران کے اسلوب کا اثر واضح تھا۔ گو

وہ کبھی بالمشافہ ایک دوسرے سے نہ مل سکے اور ان کی محبت ان کے درمیان مسلسل ہونے والی خط و کتابت تک محدود رہی' لیکن ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے بیچ وہی ہم آہنگی پیدا ہوئی جس سے سالہا سال ساتھ رہنے والے بھی اکثر محروم رہتے ہیں۔

چند ہی سالوں میں مے زیدہ نے مصری ادبی حلقوں میں ایک معتبر شخصیت کے طور پر اپنی جگہ بنا لی۔ تاہم اسے ادب سے کہیں زیادہ دلچسپی آزادی نسواں کی تحریک سے تھی۔ جس کی وہ خود سرکردہ رکن تھی۔

خلیل جبران اور مے زیدہ کی خط و کتابت قریب ۱۹۱۲ء میں شروع ہوئی اور جبران کی موت کے سال ۱۹۳۱ء تک جاری رہی۔ ان خطوط میں رومانوی جذبات کا اظہار بھی ملتا ہے اور علمی و فکری موضوعات پر مباحث' آراء' تبصرے بھی---- ان محبت ناموں میں ہمیں خلیل جبران کی شخصیت سے بھی تعارف ملتا ہے اور ہم مے زیدہ سے بھی متعارف ہوتے ہیں۔

۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۱ء کے دوران مے زیدہ کے ایک ساتھ چار اہم رشتہ دار اور دوست فوت ہوئے' ان میں اس کے والدین کے علاوہ اس کا دوست یعقوب سیروف اور محبوب خلیل جبران بھی شامل تھا۔ ان صدمات کا نتیجہ شدید ڈیپریشن کی صورت میں نکلا۔ جس کے مداوے کے لیے وہ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک فرانس' انگلستان اور اٹلی کے شہروں کی سیاحت کرتی رہی۔ بعد کے سالوں نے اس اعصابی تناؤ کی کیفیت میں مزید اضافہ کیا' جس کے نتیجے کے طور پر ایک مرتبہ اس نے خودکشی کی ناکام کوشش کی اور اسے ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ تاہم پھر چند دوستوں کی اعانت سے وہ صحت یاب ہوئی۔ ۱۹۴۲ء میں وہ قاہرہ میں فوت ہوگئی۔ مے زیدہ کے جبران کے نام لکھے خطوط زیور اشاعت سے آراستہ نہیں ہوسکے اور ہنوز اس کے خاندان کے پاس محفوظ ہیں۔

مختصر سوانحی کوائف

1883 - جبران خلیل جبران ۶ر جنوری کو لبنان کے قصبہ بشری میں مقدس وادی "وادی قدیشہ" کے کنارے مقدس دیودار کے درختوں کے کنج کے نزدیک پیدا ہوئے' ان کی والدہ کملہ ایک پادری استفان رحمی کی بیٹی تھیں اور حنا عبدالسلام رحمی کی بیوہ تھیں۔ شاعر کے باپ خلیل جبران سے شادی ہونے سے پہلے ایک چھ سالہ بیٹا بوترس بھی تھا۔ دوسرے شوہر سے جبران پیدا ہوا۔

1885 - جبران کی پہلی بہن مریانا پیدا ہوئی۔

1887 - جبران کی دوسری بہن سلطانہ پیدا ہوئی۔

1895 - جبران اپنے سوتیلے بھائی بوترس' اپنی ماں اور اپنی دو بہنوں کے ساتھ امریکہ میں چائنا ٹاؤن' بوسٹن میں منتقل ہوگیا' جبکہ اس کے والد لبنان ہی میں ٹھہرے۔

1897 - جبران لبنان واپس آیا' جہاں اس نے الحکمت سکول میں داخلہ لیا۔ یہاں نصاب کے علاوہ دیگر متعدد علوم کا مطالعہ کیا اور پھر خود کو عربی قدیم و جدید ادب

کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا اور عرب دنیا میں پیدا ہونے والی ادبی تحاریک سے گہری شناسائی پیدا کی۔

1899 - موسم گرما کی تعطیلات میں جبران بشری میں ایک نوجوان خوبصورت لڑکی سے محبت میں مبتلا ہوا۔ اس کے باوجود کہ اس تعلق اور نوجوان لڑکی کے متعلق امید افزا قیاس آرائی کی جا سکتی ہے' ایسا ممکن ہے کہ جبران کو اپنی پہلی محبت سے بڑی مایوسی اور ناامیدی ہوئی۔ موسم خزاں میں وہ براستہ پیرس بوسٹن واپس گیا اور کئی سالوں کے بعد اس ناخوشگوار تعلق کو اپنی کتاب "شکستہ پر" میں بیان کیا۔

1902 - جبران ایک بار پھر لبنان آیا۔ اس بار وہ ایک امریکی خاندان کے رہنما اور ترجمان کی حیثیت سے آیا تھا' لیکن پھر اپنی بہن سلطانہ کی وفات اور اپنی والدہ کی شدید بیماری کی خبر پا کر جلد ہی واپس بوسٹن لوٹ گیا۔

1903 - مارچ میں اس کا سوتیلا بھائی بوترس وفات پا گیا۔ والدہ جون میں فوت ہوئیں۔ جبران اور ان کی بہن مریانا بوسٹن میں اکیلے رہ گئے۔ ان کی والدہ' سوتیلا بھائی اور بہن سبھی تپ دق کے عارضہ میں فوت ہوئے۔

1904 - جبران ایک مقرر کی حیثیت سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر چکے تھے۔ معروف فوٹو گرافر "فرید ہالینڈ ڈے" جبران کا اولین سرپرست بن گیا۔ اس نے اپنے سٹوڈیو میں جبران کی تصویروں اور ڈرائنگز کی نمائش کا اہتمام کیا۔ فروری میں کیمبرج سکول میں جبران کی دوسری نمائش منعقد ہوئی' یہ ایک نجی تعلیمی ادارہ تھا جس کی مہتمم اور مالکہ "میری ہاسکل" تھیں جو جبران کی گہری دوست' سرپرست اور محسن بن گئیں۔

کیمبرج سکول میں ہی جبران کی ملاقات ایک فرانسیسی النسل نوجوان لڑکی **ایملی** مائیکل سے ہوئی جسے اس کے واقف کار "**مائیکلین**" کے نام سے پکارتے تھے اور جس سے جبران کو محبت ہو گئی۔

1905 - جبران کی پہلی عربی کتاب "الموسیقی" شائع ہوئی۔

1906 - جبران نے اپنی کتاب "ارائیں المروج" میں گرجا گھر اور ریاست کے خلاف سنگین تنقید کی۔ اس سے انہیں ایک باغی اور انقلابی کی حیثیت سے مانا جانے لگا۔ اس حیثیت میں ان کی مستقبل میں شائع ہونے والی صوفیانہ کتابوں کی اشاعت نے چنداں تخفیف نہیں کی۔

1908 - اپنی کتاب "الارواہل متمرد" کی اشاعت کے ساتھ ایک کتاب "فلسفۃ الدین و تدینؒ" پر بھی کام کیا جو کبھی شائع نہیں ہوئی۔ "میری ہاسکل" کی اعانت سے، جو جبران کی بڑا مصور اور مفکر بننے کی خواہش کو پورا کرنا چاہتی تھیں، وہ لندن سے ہوتے ہوئے پیرس گئے۔ تاکہ "اکیڈمی جولین" اور "Ecoles des Beaux -- Arto" میں فن مصوری کی تعلیم کے حصول کے لیے گئے۔ پیرس میں اپنے قیام کے دوران یورپی ادب سے ان کی شناسائی پیدا ہوئی۔ انہوں نے ہم عصر انگریزی اور فرانسیسی ادب کا مطالعہ کیا۔ خاص طور پر ولیم بلیک سے وہ متاثر ہوئے، جس نے ان کے فکر اور فن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ اسی دوران میں فریڈرک نطشے کی کتاب "زرتشت کی حکایات" سے بھی متاثر ہوئے، لیکن ولیم بلیک کے برعکس یہ تاثر جلد ہی چھٹ گیا۔

1909 - پیرس میں جبران نے اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہیں ان کی ملاقات اپنے "الحکمت" سکول کے دوست یوسف الہوویک سے ہوئی جو فنون لطیفہ کا طالب علم تھا۔ دونوں گہرے دوست بن گئے اور مل کر مصوری میں جدید رجحانات سے آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ تب انہیں "کیوب ازم" ایک بے معنی تحریک معلوم ہوا، جسے انہوں نے "نامعقول تحریک" کا نام دیا۔ اس کے برعکس انہوں نے کلاسیکی روایت سے خود کو قریب پایا۔ ان کی ملاقات سنگ تراش آگستے روڈن سے بھی ہوئی۔ تاہم یہ ملاقات چند منٹوں سے زیادہ پر محیط نہ تھی۔ جبران کے فن پر روڈن نے گہرے اثرات نقش کیے۔ پیرس میں جبران کا استاد "میتری لارنس" تھا جس کی مصوری جبران کو سخت ناپسند تھی۔ حتیٰ کہ آخرکار اس نے اپنے استاد سے علیحدہ اپنے طور پر کام شروع کیا۔

جبران کے والد لبنان میں فوت ہوئے۔

1910 - لندن میں جبران اپنے دوستوں "امین ریحانی" اور "یوسف الہوویک" سے ملا اور انھوں نے عرب دنیا کے تہذیبی نشاۃ ثانیہ کے لیے بہت سے منصوبے بنائے۔ ان میں سے ایک منصوبہ بیروت میں ایک اوپیرا ہاؤس قائم کرنے کا بھی تھا' جس کی سب سے اہم خوبی یہ ہوگی کہ اس کے دو گنبد ہوں گے جو اسلام اور عیسائیت کی باہمی موافقت کا استعارہ ہوں گے۔ اکتوبر میں بوسٹن واپس آنے کے بعد جبران نے میری ہاسکل کو شادی کی پیشکش کی' وہ اس سے دس سال بڑی تھیں' تاہم خاتون نے انکار کر دیا۔

1911 - اوتومان حکومت سے عرب علاقوں کی آزادی کے موقع پر سیاسی سرگرمیاں تیز تر ہوگئیں۔ جبران نے "سنہری حلقہ" کے نام سے تنظیم بنائی۔ یہ ان اہم سیاسی عرب انجمنوں میں سے ایک تھی جن کا دائرہ کار شام' لبنان' کانسٹینٹی نوپل' پیرس اور نیویارک تک پھیل گیا تھا۔ تاہم "سنہری حلقہ" کو عرب مہاجرین کی طرف سے پذیرائی حاصل نہیں ہوئی اور یہ اپنے پہلے اجلاس کے بعد ہی ختم ہوگئی۔

جبران نے پورٹریٹ بنانے سے آمدنی حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔

1912 - جبران بوسٹن سے نیویارک منتقل ہوگیا۔ جہاں اس نے پانچویں اور چھٹے ایونیو کے درمیان "ویسٹ ٹینتھ سٹریٹ" میں ایک سٹوڈیو کرایہ پر لیا۔ اس سٹوڈیو کو جبران نے اپنی "خلوت گاہ" کا نام دیا۔ وہ تادم حیات رہا۔ اس کی کتاب "شکستہ پر" شائع ہوئی' اور اس کی خودنوشت سوانح چھپی' جس پر وہ ۱۹۰۳ء سے کام کر رہا تھا۔

جبھی مصر میں مقیم ایک لبنانی ادیبہ مے زیدہ سے جبران کا تعلق پیدا ہوا۔ اگرچہ ان کی دوستی ان کے خطوں تک ہی محدود تھی' جو بیس سے زائد برس تک وہ ایک دوسرے کو لکھتے رہے' لیکن ان کے بیچ ایسی قربت اور ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوگئی تھی جو جبران کی موت پر ہی ختم ہوئی۔

1914 - جبران نے ۱۹۰۴ء تک مختلف جرائد میں چھپنے والی اپنی متعدد نثری

نظموں کو اکٹھا کیا اور "ایک آنسو اور ایک تبسم" کے نام سے چھاپا۔ دسمبر میں مانٹروس گیلریز' نیویارک میں جبران کی تصاویر اور ڈرائنگز کی نمائش لگی۔

1917 - جبران کی تصویروں کی دو مزید نمائشیں ہوئیں' ایک "نوڈل گیلریز" نیویارک اور دوسری "ڈال اینڈ رچرڈ گیلریز" بوسٹن میں۔

1918 - جبران کی انگریزی میں پہلی کتاب "The Madman" چھپی۔

1919 - "بیس ڈرائنگز" کے نام سے جبران کی ڈرائنگز کی کتاب چھپی۔ اس کتاب کا تعارف ایلس رافیل نے لکھا۔ "جلوس" شائع ہوئی' یہ ایک فلسفیانہ نظم ہے' جس میں ڈرائنگز شاعر نے خود بنائیں۔ انہی میں ایک اس کی بہترین ڈرائنگ شامل ہے۔

1920 - "آندھیاں" چھپی۔ یہ مختصر نثری ٹکڑوں اور نثری نظموں کا مجموعہ ہے جو ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء کے درمیان مختلف سالوں میں شائع ہوئیں۔ اس کی دوسری انگریزی کتاب "The Foreranner" چھپی۔ جبران ادبی تنظیم "الربیتہ الکلامیہ" کا بانی صدر بنا۔ اس تنظیم میں عبدالمسیح مراد' نصیب عریدہ' میخائل نیامی' رشید ایوب' نادرہ مراد' ولیم کاٹنر فلز' علیہ ابودی اور ودیع باہت جیسے عرب مہاجر ادیبوں نے' عرب مہاجر شاعروں اور عرب ادباء کی اگلی نسلوں کے فن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

1921 - جبران کا موضوعاتی ناٹک "تنہا ستونوں کا شہر' ارم" عربی زبان میں چھپا۔ اس کی صحت روبہ زوال ہوئی۔

1922 - جنوری میں اس کے فن پاروں کی ایک اور نمائش بوسٹن میں منعقد ہوئی' اس کا مقام "وومنز سٹی کلب" تھا۔

1923 - جبران کی کتاب "خوبصورت اور نایاب مقولے" چھپی۔ اس میں جبران نے اپنی سترہ سالہ عمر کے تخیل کو استعمال میں لا کر عرب کے عظیم فلاسفہ اور شعراء جیسے ابن سینا' الغزالی' الخنساء' ابن القرید' ابو نولیس' ابن مکفاء اور دیگر کے خاکے بنا کر شامل کیے۔

ان کی کتاب "پیغمبر" چھپی۔

1926 - جبران کی کتاب "ریت اور جھاگ" چھپی۔ یہ مقولات پر مشتمل تھی جو ابتداء" عربی میں لکھے گئے بعد ازاں انگریزی میں ترجمہ ہوئے۔

1928 - جبران کی ضخیم کتاب "مسیح' انسان کا بیٹا" چھپی۔

1931 - اپنی موت سے دو ہفتے پہلے جبران کی کتاب "زمینی خدا" چھپی۔ ۱۰ اپریل بروز جمعہ کو طویل اور کرب ناک بیماری کے بعد جبران سینٹ ونسنٹ کے ہسپتال میں انتقال کر گیا۔ جبکہ موت کا سبب تپ دق کا عارضہ ہی تھا۔ جس سے جبران کا خاندان ختم ہوا۔ جبران کی میت کو دو دن وہیں تابوت میں رکھا گیا جہاں ہزارہا لوگ اس کے آخری دیدار کے لیے آئے۔ بعد ازاں اسے بوسٹن لے جایا گیا اور وہاں سے لبنان--- جبران کو اس کے آبائی گاؤں "بشری" میں "مار سادکس" کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ وہاں قریب ہی "بشری" کے لوگوں نے حکومت کی امداد سے "جبران میوزیم" قائم کیا۔

جبرآن اپنی دو کتابیں غیر مطبوعہ چھوڑ گیا۔ ایک مکمل تھی جو "آوارہ گرد" کے نام سے چھپی اور دوسری غیر مکمل تھی جسے "باغ پیغمبر" کا عنوان دیا گیا۔ اسے ۱۹۳۳ء میں امریکی شاعرہ باربرا ینگ نے مکمل کر کے چھاپا' جو گزشتہ سات برس جبران کی رفاقت میں رہی۔

نیویارک

۴ر جنوری ۱۹۱۴ء

پیاری مے زیدہ!

ان تمام خاموش مہینوں میں، جو تمہاری طرف سے کوئی جوابی خط وصول ہوئے بغیر گزرے، میں نے بہت سی باتوں پر غور کیا، لیکن ایک بار بھی میرے ذہن میں یہ خیال نہ آیا کہ تم ایک بے وفا عورت ہو۔ لیکن اب تم نے خود اپنے اندر کی عیاری کو تسلیم کیا ہے۔ یہی مناسب اور درست ہے کہ میں تمہارا یقین کرلوں، کیونکہ مجھے تمہارے کہے ہوئے ہر ہر لفظ پر یقین ہے۔ یہ کہتے ہوئے تمہیں فخر محسوس ہوا ہوگا کہ "میں چالاک ہوں"۔ تمہارا افتخار باجواز ہے کیونکہ چالاکی بہرکیف اچھائی کی طاقت کی ایک حریف ہے۔ لیکن مجھے یہ بتانے کی اجازت دو کہ چاہے اپنی چالاکی میں تم کتنی ہی باکمال ہو جاؤ، تم کبھی اس چالاکی کے نصف تک بھی نہیں پہنچ سکو گی جو مجھ میں موجود ہے۔ کیونکہ میں ان روحوں جیسا چالاک ہوں جو جہنم کی گپھاؤں میں رہتی ہیں۔ نہیں۔ میں اس سیاہ روح جیسا چالاک ہوں جو جہنم کے دروازے کی نگرانی پر مامور ہے۔ قدرتی طور پر تمہیں میری اس بات کو ماننا پڑے گا۔

لیکن اب تک میں یہ سمجھنے کے اہل نہیں ہوسکا کہ آخر کس باعث تم نے "چالاکی" کو میرے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کیا تم مجھ پر اتنی مہربانی کروگی کہ مجھے اس کی کوئی وضاحت لکھ بھیجو؟ میں نے اب تک ہر اس خط کا جواب دیا ہے جو تم نے مہربانی کرکے مجھے ارسال کیا ہے اور مسلسل ہر اس لفظ کے معانی کے لیے غور و فکر کیا ہے جو تم نے میرے کان میں سرگوشی کی صورت میں کہا۔ کیا کوئی ایسی بات مجھ سے رہ گئی ہے جو مجھے کرنی چاہیے تھی؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ تم نے مجھے ایک گناہ کے ارتکاب کی ترغیب دی ہے تا

کہ تم سزا دینے کی اپنی طاقت کا میرے سامنے مظاہرہ کر سکو؟ قابل تحسین بات ہے کہ تم اس میں کامیاب رہی ہو--- اور اب میرا تمہارے بتائے ہوئے اس الہامی قانون پر بھی ایقان قائم ہوگیا ہے جس کے تحت تم ہندوستانی دیوی "کالی" کی تلواروں اور یونانی دیوی "ڈیانا" کے تیروں کو آپس میں ملا دیتی ہو۔

اب ہم دونوں ہی اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ ہم دونوں کی روحوں میں کس قدر چالاکی بھری ہوئی ہے۔ اور یہ کہ اس میں سزا تجویز کرنے کا کس قدر میلان موجود ہے۔ ذرا اس بحث کو پھر سے ذہن میں تازہ کرو جو دو سال قبل ہمارے بیچ شروع ہوئی تھی۔

دیگر حالات کیسے ہیں اور تمہاری صحت کا کیا حال ہے؟ کیا تم ٹھیک ہو اور جیسا لبنان میں کہا جاتا ہے کہ "صحت مندی سے حظ اٹھا رہی ہو"--- کیا گزشتہ موسم گرما میں تم اپنا دوسرا بازو بھی تڑوا بیٹھی تھی' یا کیا تمہاری ماں نے تمہیں گھڑ سواری سے باز رکھا تاکہ تم دو مضبوط بازوؤں کے ساتھ مصر واپس جا سکو؟ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری صحت ایک شرابی کی بدحواسیوں کی مانند ہے۔ میں نے گرمی اور خزاں کا موسم پہاڑوں کے بیچ اور سمندر کے ساحلوں پر ادھر ادھر گھومتے گزارا۔ پھر نیویارک لوٹا تو میرے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی اور میں لاغر تھا۔ میں نے اپنا کام اور اپنے خوابوں کے ساتھ کشمکش شروع کی۔ وہ عجیب خواب جنہوں نے مجھے پہاڑ کی چوٹی تک بلند کیا اور پھر نیچے اس وادی کی گہرائیوں میں کھینچ لائے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ تمہیں "الفنون" پسند آیا۔ جو عرب دنیا میں منظرعام پر آنے والا اپنی نوعیت کا بہترین جریدہ ہے۔ جہاں تک اس کے مالک کا تعلق ہے وہ ایک نیک طینت اور اپنے خیالات میں بالکل واضح نوجوان ہے۔ اس کی چند عمدہ تحریریں اور حقیقی نظمیں ایک فرضی نام "الف" کے ساتھ شائع ہوئی ہیں۔ اس نوجوان کے بارے میں خوب بات یہ ہے کہ اس نے نہ صرف تمام یورپی تحریروں کو پڑھ رکھا ہے بلکہ ان کو اپنے اندر جذب بھی کیا ہے۔ ادھر ہمارے دوست امین ریانی نے "الفنون" میں ایک نئے اور طویل ناول کو شائع کرنا شروع کیا ہے۔ اس نے مجھے

اس کے کئی ایک ابواب پڑھ کر سنائے ہیں' جو مجھے بہت عمدہ معلوم ہوئے۔ میں نے "الفنون" کے مدیر کو مطلع کیا کہ میں اسے ایک مضمون بھیج رہا ہوں اور اب وہ بڑی مسرت کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا ہے۔

مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ مجھے کوئی ساز بجانا نہیں آتا۔ لیکن میں موسیقی سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی زندگی سے۔ مجھے اس کے قواعد اور ہیئت کے بارے میں سیکھنے اور اس کی تاریخ' ماخذات اور اس کے ارتقاء کے علم میں بصیرت پیدا کرنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ اگر زندگی رہی تو میں عربی اور ایرانی دھنوں کے ان پہلوؤں پر ضرور ایک طویل مقالہ لکھوں گا۔ میں مغربی اور مشرقی دونوں طرح کی موسیقی کا دلدادہ ہوں۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا جب میں ایک یا دو مرتبہ اوپیرا نہ جاؤں۔ یوں تو ساری مغربی موسیقی سے لطف اندوز ہوتا ہوں لیکن سمفنیاں' سٹاز اور کنسٹاس مجھے خاص طور پر پسند ہیں۔ اوپیرا میں سادہ موسیقی پیش نہیں کی جاتی۔ یہ بات میرے مزاج کے موافق ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں اس "اود" سے کتنا حسد کرتا ہوں جو تم نے اپنے اتنے نزدیک رکھا ہوا ہے۔ میں تم سے التماس کرتا ہوں کہ جب تم "اود" کی تاروں پر "ناہاوند" بجاؤ تو میرا نام پکارنا اور وہ الفاظ بھی دہرانا جو میں نے توصیف میں کہے ہیں۔ کیونکہ یہ ایسی دھن ہے جسے میں بے حد پسند کرتا ہوں اور میرے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنی کارلائل کی آراء جو اس نے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کی ہیں۔

کیا تم مجھ پر مہربانی کرو گی کہ جب تم ابوالہول کے دربار میں جاؤ تو میرے بارے میں سوچنا۔ جب میں مصر گیا تھا تو ہفتے میں دو بار ضرور وہاں جاتا اور گھنٹوں ابوالہول اور اہراموں پر نظریں جمائے سنہری ریت پر بیٹھا رہتا تھا' تب میں اٹھارہ برس کا نوجوان تھا اور میری روح فن کے ایسے شاہکاروں کے سامنے تھرا جاتی تھی' جیسے نرسلیں طوفان کی آمد پر کانپنے لگتی ہیں۔ ابوالہول مجھے دیکھ کر مسکراتا اور میرے دل کو میٹھے سوز اور مسرت کی ٹیسوں سے بھر دیتا۔

تمہاری طرح میں بھی ڈاکٹر شمائل کا بڑا معترف ہوں۔ آپ ان چند لوگوں میں

سے ہیں جو لبنان میں پیدا ہوئے اور جن سے مشرق وسطیٰ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ مشرق کو ڈاکٹر شائل جیسے لوگوں کی اشد ضرورت ہے' جو ان اثرات کو کم کر سکیں جو مصر اور شام میں بنیاد پرست اور صوفیوں کی تعلیمات کے باعث پیدا ہوئے ہیں۔

کیا تم نے خیر اللہ آفندی خیرالہ کی فرانسیسی کتاب پڑھی ہے؟ میں ہنوز اسے حاصل نہیں کر سکا۔ لیکن ایک دوست نے مجھے بتایا ہے کہ اس کتاب میں ایک باب تمہارے متعلق ہے اور ایک باب میرے متعلق۔ سو اگر تمہارے پاس اس کی دو جلدیں ہیں تو براہ مہربانی ایک مجھے بھیج دو۔ خدا تمہیں اس کا اجر دے گا۔ آدھی رات بیت چکی ہے' اس لیے شب بخیر۔ خدا تمہیں میرے لیے اپنی امان میں رکھے۔

تمہارا

خلیل جبران خلیل

نیویارک

۲۴؍ جنوری ۱۹۱۹ء

پیاری زیدہ!

خدا کرے تمہاری خوبصورت اور نیک روح مطمئن رہے۔ آج مجھے "المقتطف" کے شمارے موصول ہوئے ہیں جو تم نے مجھے بھیجے تھے۔ میں نے فوراً فوراً تمہارے سارے مضامین گہری مسرت کے ساتھ اور ان سے شدید متاثر ہوتے ہوئے پڑھے ہیں۔ تمہارے مضامین میں مجھے ان میلانات اور رجحانات کا اجتماع دکھائی دیا ہے جنہوں نے ایک طویل عرصہ سے میرے خیالات کو گھیر رکھا ہے اور جو میرے خوابوں کے تابع ہیں۔ تاہم اس کے علاوہ بھی متعدد ایسے نظریات اور اصول ہیں جن پر میں تم سے بالمشافہ مل کر بحث کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب کی بار جب میں قاہرہ جاؤں تو تم مجھے ملاقات کا شرف بخشو اور ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کریں، جیسے "مقامات کی روح" "ذہن اور قلب" اور سنہری برگسان کی فکر کے چند پہلو۔ لیکن قاہرہ دور دراز مشرق میں اور نیویارک اس سے بہت دور مغرب میں واقع ہے۔ سو ایسی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی کہ ہم کبھی یوں بالمشافہ مل کر گفتگو کر سکیں جس کی مجھے بڑی خواہش ہے۔

تمہارے مضامین سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک اعلیٰ درجہ کی ہونہار اور پڑھی لکھی عورت ہو۔ تم ایک پختہ اور اعلیٰ ذوق کے ساتھ اپنے مضامین کے لیے مواد جمع کرتی اور اس کو ترتیب دیتی ہو۔ ان مضامین سے تمہارے ذاتی اور نجی تجربات کا بھی اظہار ہوتا ہے، جو تمہاری تحقیقات کو عربی زبان میں اپنی نوع کا ایک

بہترین درجہ عطا کرتے ہیں۔ میں خود تجربہ اور ذاتی ارادے کو ہر قسم کے علم اور ہر قسم کے کام سے بدتر تصور کرتا ہوں۔

تاہم میرے ذہن میں ایک سوال ہے جو امید ہے کہ تم مجھے پوچھنے کی اجازت دو گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ دن آ نہیں گیا کہ اب تمہاری عظیم قابلیت کو تمہاری داخلی ذات کے رازوں' خاص تجربات اور اس ذات کے نفیس اسراروں کو افشا کرنے کے لیے وقف ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ کیا تخلیقی کیفیتوں کو سہارنا تخلیق کاروں کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کی نسبت زیادہ سہل نہیں ہے؟ کیا تم نہیں سوچتیں کہ شعراء اور شاعری پر مضامین لکھنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ شاعری یا نثر تخلیق کی جائے؟ تمہارے ایک معترف کی حیثیت سے میں یہ کہوں گا کہ میں مختلف زمانوں اور مختلف بادشاہتوں میں مصری فن اور اس کے ارتقاء کی تاریخ پر تمہارا مقالہ پڑھنے کی بجائے ابوالہول کی مسکراہٹ پر تمہاری ایک نظم پڑھنا بہتر سمجھوں گا۔ اس لیے کہ ابوالہول کی مسکراہٹ پر ایک نظم لکھ کر تم نے مجھے اپنے ذاتی تجربہ میں شریک ہونے کا موقع دیا ہے۔ جبکہ مصری فنون کی تاریخ پر ایک مقالہ لکھ کر تم نے اپنے تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے۔

میں نے جو کچھ کہا' اس سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ میں مصری فنون کی تاریخ پر لکھنے میں تمہاری اپنے ذاتی اور داخلی تجربات کا اظہار کرنے کی اہلیت پر کوئی شک کر رہا ہوں۔ بلکہ میری مراد یہ ہے کہ تمہاری تحقیقات کی نسبت تمہارے نایاب جوہر کے لیے فن کا وسیلہ زیادہ موزوں اور مناسب ہے' جو انسان کی روح میں تیرنے' حرکت کرنے اور جوہر بن جانے والی بات کا اظہار ہے۔ جبکہ تحقیقی کام دراصل اس شے کا اظہار ہے جو معاشرے کے اندر تیرتا' حرکت کرتا اور جوہر بن جاتا ہے۔

میں نے جو کچھ بھی کہا' وہ محض فن کے نام پر ایک ہمدردانہ درخواست ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ اس درخواست کے ذریعے میں تمہیں ان فسوں کر دینے والے میدانوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جہاں تم سیفو' الزبتھ براؤننگ' اولائیو شرینز اور اپنی دوسری بہنوں کو موجود پاؤ گی' جنہوں نے آسمان اور زمین کے بیچ سونے اور ہاتھی دانت کا ایک زینہ استوار کر دیا ہے۔

خدارا، یقین رکھو کہ میں تمہارا بڑا معترف ہوں۔ میری اس دل کی گہرائیوں سے نکلی درخواست کو قبول کرلو۔ خدا میرے لیے تمہیں اپنی امان میں رکھے۔

تمہارا

خلیل جبران خلیل

نیویارک

۷ر فروری ۱۹۱۹ء

میری پیاری زیدہ!

تمہارے خط نے ایک ہزار بہاروں اور ایک ہزار خزاؤں کی یاد کو میرے اندر تازہ کر دیا ہے۔ میں نے ایک مرتبہ پھر سے خود کو ان بھوتوں کے سامنے کھڑا پایا ہے' جو یورپ میں آتش فشاں کے پھوٹ پڑنے پر غائب ہو گئے اور چھپ گئے تھے--- یہ کیسی طویل اور گہری خاموشی تھی۔

میری دوست' کیا تم جانتی ہو کہ میں ہماری گفتگو سے کس قدر تسکین' رفاقت اور آرام محسوس کرتا تھا۔ اور کیا تم جانتی ہو کہ میں خود سے کہا کرتا تھا کہ "دور دراز مشرق میں ایک ایسی دوشیزہ ہے' جو دوسری دوشیزاؤں سے بہت مختلف ہے' جو پیدا بھی نہیں ہوئی تھی کہ جب سے وہ معبد میں داخل ہو گئی تھی۔ جو خداؤں کے خدا کے حضور کھڑی ہے' اور جو ان ارفع اسراروں سے آگاہ ہو چکی ہے جن کی حفاظت "صبح کے دیو" کرتے ہیں' جس نے تب سے میرے ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اور میرے لوگوں کو اپنے لوگ جان کر ان میں رہائش اختیار کی۔ کیا تم جانتی ہو کہ میں ہر بار تمہارا خط موصول ہونے پر یہ مناجات اپنے تخیل کو سرگوشی میں سنا دیتا تھا۔ اگر تم یہ سب جان لیتی تو شاید کبھی مجھے خط لکھنا منقطع نہ کرتی--- دوسری طرف شاید تم نے بھی یہ سب کچھ جان لیا ہے' اسی لیے مجھے خط نہیں لکھتی ہو' بہرحال تمہارا یہ فیصلہ حکمت اور عمدہ سوچ سے تہی نہیں ہو گا۔

جہاں تک ابوالہول پر مضمون کا تعلق ہے' خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اس

کا تقاضا نہیں کیا۔ کیا یہ سب "الفنون" کے مالک کے کٹھور تقاضے کے سبب تو نہیں ہوا؟ خدا مجھے معاف فرمائے۔ یہ میری فطرت کے خلاف بات ہے کہ شاعروں کو ہدایت دے کر کچھ لکھوایا جائے۔ خاص طور پر شاعروں کے اس مختصر گروہ سے جو محض اسی بات کی پیروی کرتے ہیں' جو زندگی خود انہیں تجویز کرتی ہے۔ تمہارا تعلق اسی گروہ سے ہے۔ مزید برآں میں جانتا ہوں کہ فن کے کچھ تقاضے ہیں' حالانکہ ضروری نہیں ہے کہ یہ تقاضے فن ہی سے پیدا ہوئے ہوں۔ اور پھر یہ بات بھی ہے کہ موضوع تجویز کرنے کے معاملے میں کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جو ایک فنکار کے لیے ان موضوعات میں سے ایک فنکار کے خاص جبلی وقار کو فنا کر دیتی ہے۔ تو کیا تم نے کچھ لکھا ہے۔ "میرا ابوالہول پر کچھ لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔ میں بہت خوش ہوا جب یہ پڑھا یہ "مے" کے لیے ہے۔ تمہارے پاس کسی بھی آلودگی سے پاک ایک فن کارانہ مزاج ہے۔ اس گفتگو کا لب لباب یہ ہے کہ میں ابوالہول کی مسکراہٹ پر ایک مقالہ لکھ کر تمہیں بھیجوں گا۔ اس کے بعد میں "مے" کے تبسم پر ایک نظم لکھوں گا۔ بالفرض اگر مجھے اس کی مسکراہٹ کی تصویر مل گئی تو یہ کام میں آج ہی کر ڈالوں گا۔ لیکن مے اور اس کی مسکراہٹ کو دیکھنے کے لیے مجھے مصر کا سفر کرنا ہوگا۔ ایک شاعر کسی عورت کی مسکراہٹ کے بارے میں آخر کیا کہہ سکتا ہے؟ کیا لیونارڈ ڈاونسی نے اس موضوع پر "مونا لیزا" کی صورت میں حرف آخر نہیں لکھ ڈالا؟ لیکن کیا ایک لبنانی دوشیزہ کی مسکراہٹ میں ایسا راز نہیں ہے' جسے صرف ایک دوسرا لبنانی ہی سمجھ اور بیان کر سکتا ہے؟ تو کیا یہ بات بھی نہیں ہے کہ ایک عورت چاہے وہ لبنانی ہو یا اطالوی' ابدیت کے ان رازوں کو مخفی رکھنے کے لیے ہی مسکراتی ہے' جو ہونٹوں کے نقاب کے عقب میں موجود ہوتے ہیں؟

اور میری کتاب "پاگل" --- میں "پاگل" کے بارے میں کیا کہوں؟ تمہاری رائے ہے کہ اس میں قدرے سفاکی کا پہلو موجود ہے۔ حتیٰ کہ تاریک گھپاؤں کا عنصر بھی ہے۔ اس سے قبل میرا ایسی تنقید سے کبھی واسطہ نہیں پڑا' حالانکہ میں نے اس مختصر کتاب پر انگلستان اور امریکہ کے اخبارات اور جراید میں شائع ہونے والی متعدد

آراء پڑھی ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بیشتر مغربی مصنّفین نے میری دو تحریروں' "میرا دوست" اور "نیند میں چلنے والے" کو پسند کیا اور انھیں خصوصی تبصرے کے لیے منتخب کیا ہے۔ لیکن میری رفیق تم کو اس میں سفاکی کا پہلو دکھائی دیا ہے۔ آخر اس شخص کو کیا حاصل ہوا جس نے ساری دنیا سے پذیرائی کے پھول پائے لیکن "مے" کی خوشنودی حاصل نہ کر سکا۔

ان مغربی مصنّفین کی "پاگل" اور اس کے خوابوں کو پسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ خود اپنے خوابوں سے بیزار ہو چکے ہیں۔ عجیب اور بدیسی چیزوں کے لیے ان میں قبولیت کا ایک شدید میلان موجود ہے' خاص طور پر ان چیزوں کے لیے جو مشرقی پوشاک میں ملبوس ہوں۔ جہاں تک "الفنون" میں شائع ہونے والی حکایات اور نظموں کا تعلق ہے' تو انھیں ان کی اصل زبان انگریزی میں سے ایک مصنف نے ترجمہ کیا تھا' جس کی مجھ سے محبت' اس کے انگریزی زبان کی دقیقہ سنجیوں کے فہم سے کہیں زیادہ ہے۔

میں نے "نفرت" کے لفظ کے گرد سرخ سیاہی سے دائرہ بنایا ہے' جو تم نے "پاگل" پر اپنے تبصرے میں لکھا۔ میں نے یہ اس لیے کیا' کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اگر تم میری کہانی "نیند میں چلنے والے" پڑھو اور ماں اور بیٹی کے بیچ ہونے والی گفتگو کو "گزرے ہوئے کل" اور "آنے والے کل" کی تجسیم کے حوالے سے سمجھو تو تم ضرور "نفرت" کے لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے بدل دو گے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟

میں اپنی روح کی گھپاؤں کے بارے میں کیا کہوں؟ وہ گھپائیں جن سے تم اس قدر خوف زدہ ہو۔ میں تب ان میں فرار حاصل کرتا ہوں جب میں انسانوں کے طور اطوار' ان کے قطار میں کھلائے ہوئے میدانوں اور بہت گنجان جنگلوں سے اوب جاتا ہوں۔ میں پسپا ہو کر تب اپنی روح کی ان گھپاؤں میں پناہ لیتا ہوں جب میں اپنے سر کو پرسکون انداز میں کہیں ٹکا کر بیٹھنے کی جگہ تلاش کرنے میں ناکام ہو جاتا ہوں۔ اور اگر ان میں سے کوئی' جن سے میں محبت کرتا ہوں' ان گھپاؤں میں داخل ہونے کی جرات کرے تو اسے وہاں بس ایک آدمی ملے گا جو گھٹنوں کے بل بیٹھا ہے اور عبادت

میں محو ہے۔

مجھے خوشی ہوئی کہ "پاگل" میں تمہیں تین تمثیلیں پسند آئی ہیں۔ یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تیسری تخیل کی آنکھ ہے' جو دونوں آنکھوں کے بیچ وا ہوتی ہے۔ میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ تمہارے کانوں کے عقب میں ایسے مخفی کان بھی ہیں جو ان نفیس آوازوں کو سننے کی اہلیت رکھتے ہیں جو سناٹے جیسی ہوتی ہیں۔ وہ آوازیں ہونٹوں اور زبان سے پیدا نہیں ہوتیں لیکن جو لبوں اور زبان کے عقب سے صدور کرتی ہیں۔ خلوت کی میٹھی آوازیں' مسرت اور کرب کی آوازیں' اس خواہش کی آوازیں جو غیر معلوم اور دور کی دنیا کے لیے ہیں۔

جب میں یہ کہتا ہوں کہ "وہ لوگ جو ہمیں سمجھ لیتے ہیں' دراصل ہمارے اندر کسی شے کو اپنا مطیع بنا لیتے ہیں" تو تم پوچھتی ہو کہ کیا میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھے سمجھے نہیں۔ نہیں۔ اگر اس سے کوئی مجھے روحانی غلامی سے دوچار کر دے تو میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ کوئی مجھے سمجھے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ ہمیں سمجھ گئے ہیں' دراصل وہ ہمارے خارجی رویے میں کوئی ایسی مشترک بات پاتے ہیں جس کا خود انہیں تجربہ ہو چکا ہوتا ہے' لیکن زندگی میں صرف ایک بار ہی۔ تاہم ایسا دعویٰ کرنے کے لیے کہ وہ ہمارے رازوں کو جان چکے ہیں' اتنی بات کافی نہیں ہے: یہ تو ایسے راز ہیں جن سے ہم خود بھی آگاہ نہیں ہوتے۔ لیکن وہ ہمیں قطار میں کھڑا کرتے ہیں اور ہم پر کوئی لیبل چسپاں کرتے ہیں اور ہمیں متعدد خانوں میں سے کسی ایک میں سجا دیتے ہیں' جو ان کے خیالات اور تصورات سے بھرے ہوتے ہیں۔ بالکل جیسے ایک دواساز اپنی دواؤں اور سفوف کی بوتلوں کے ساتھ کرتا ہے۔ سو وہ مصنف جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تم نے اپنی چند تحریروں میں میری نقالی کی ہے' کیا وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں سمجھ لیا اور ہمارے رازوں کو جان لیا ہے؟ تمہارے لیے اس کو اس بات پر قائل کرنا ناممکن ہوگا کہ آزادی وہ منطقہ ہے جس کی طرف تمام ارواح راجع ہیں اور یہ کہ شاہ بلوط اور بید کا درخت ایک دوسرے کے سائے میں پھل پھول نہیں سکتے۔

میں اپنے خط میں اس نقطے تک پہنچا ہوں لیکن اس دوران میں، میں نے اس بات کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا جس سے میں نے خط کا آغاز کیا تھا۔ ہم میں سے کون اس اہل ہے کہ وہ اس نفیس دھند کو صورتوں یا بتوں کی صورت میں منقلب کر سکے۔ لیکن وہ لبنانی دوشیزہ جو آوازوں کے عقب میں موجود آوازوں کو سن لیتی ہے، وہ اس دھند میں روحوں اور ان صورتوں کو الگ الگ شناخت کر لے گی۔

تمہاری خوبصورت روح اور عظیم اور نفیس قلب ہمیشہ مسرور رہیں۔ خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔

تمہارا

خلیل جبران خلیل

نیویارک

۱۰؍ مئی ۱۹۱۹ء

میری پیاری مے!

میں نے "المواقب" کی ایک جلد، جو مجھے موصول ہوئی، ملفوف کر دی ہے۔ تمہیں یہ ایک خواب معلوم ہوگا، جیسا کہ یہ واقعتاً ہے۔ یہ اپنی ہیئت میں نصف ابہام اور نصف حقیقت ہے۔ اگر تمہیں اس میں سے کوئی حصہ پسند آتا ہے تو پھر تمہاری پسندیدگی اسے ایک باوقار حقیقت میں بدل دے گی اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر یہ مکمل طور پر ابہام کی حالت اختیار کر لے گی۔

تمہاری نیک طینت فطرت کے لیے ہزاروں سلام۔ تم مبارکباد قبول کرو۔ خدا تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں اپنی پناہ میں رکھے۔

تمہارا

جبران خلیل جبران

نیویارک

۱۱ر جون ۱۹۱۹ء

میری پیاری مے!

میں ملک کے ایک لمبے سفر سے لوٹا ہوں' تاکہ تمہارے تین خط اور "المحروسہ" میں چھپنے والی تمہاری خوبصورت تحریر پڑھ سکوں۔ میرے ملازم نے مجھے بتایا کہ یہ خطوط' جو میرے لیے خزانوں سے بھی بڑھ کر ہیں' چار روز قبل ایک ساتھ اسے موصول ہوئے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ مصری ڈاک خانے نے خطوط کی ترسیل منقطع کر دی ہے۔

میں نے ان تمام خطوط کو' جو میرے انتظار میں میری میز پر دھرے ہیں' نظرانداز کر دیا۔ تاکہ میں تمہاری باتیں سننے میں سارا دن صرف کر سکوں' جو ستائش اور فہمائش کا ملا جلا امتزاج ہوتی ہیں۔ میں نے فہمائش کا لفظ اس لیے استعمال کیا کیونکہ مجھے تمہارے دوسرے خط میں کچھ خاص باتیں پڑھنے کو ملی ہیں' جن کے متعلق اگر تم اجازت دو تو میں کہوں گا کہ جنہوں نے میری مسرور ذات کو ملول کر دیا ہے۔ میں کیسے اپنی نظروں کو ایک شاداب درخت سے ہٹا کر محض اس کی کسی ایک شاخ کے سائے پر مرکوز کر سکتا ہوں؟ میں کیسے ایک معطر ہاتھ کے' جو گراں بہا پتھروں سے بھرا ہوا ہے' گھاؤ پر معترض ہو سکتا ہوں؟

ہمارا یہ مکالمہ' جسے ہم نے پانچ برسوں کی خاموشی کے بعد پھر سے پا لیا ہے' کبھی محض الزام تراشی یا طعن و تشنیع میں بدل سکتا ہے۔ میں تمہاری اس رائے سے مکمل اتفاق کرتا ہوں کہ یہ ان سات ہزار میلوں مین' جو ہم دونوں کے بیچ حائل ہیں'

ایک انچ کا بھی اضافہ نہیں کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ ہمیں یہی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اس فاصلے کو اس قوت کے ذریعے مختصر کرنے کی کوشش کریں' جسے خدا نے ہمارے اندر ودیعت کیا ہے۔ یہ قوت "حسن" کی جانب ہماری رغبت' اصل منبع کے لیے ہماری خواہش اور ابدیت کے لیے ہماری پیاس کی صورت میں موجود ہے۔ میری دوست' آج کا زمانہ ایسا ہے کہ ہمیں کرب' الجھن' مشکلات اور رکاوٹوں کے اسباب ہر طرف بکھرے ملیں گے۔ میری رائے میں ایک خیال' جو مطلق اور ہستی اولی کے حضور اپنی جگہ بنا سکتا ہے' وہ کسی کتاب کے ایک حرف یا جملے' یا ایک خط میں لکھی گئی کسی بات کے اثرات کی زد میں نہیں آ سکتا۔ سو آؤ کیوں نہ ہم اپنے اختلافات کو ایک طرف ڈال دیں' ان میں سے بیشتر تو بالکل لفظی ہیں۔ آؤ' ان سب کو ایک طلائی صندوق میں ڈالیں اور پھر اس صندوق کو مسکراہٹوں کے سمندر میں غرق کر دیں۔

ے' تمہارے خطوط کتنے دل کش ہیں اور کتنے تسکین بخش۔ یہ شہد کے دریا کی مانند ہیں' جو پہاڑ کی چوٹی سے پھوٹتا ہے اور بہتا ہوا اور گاتا ہوا نیچے میری خوابوں کی وادی تک پہنچتا ہے۔ بے شک یہ آرفیس کے ساز کی مانند ہیں جو دور کی چیزوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور قریب کی چیزوں کو دور کے سفر پر روانہ کرتا ہے اور اپنی سحر انگیز ارتعاشوں سے پتھروں کو چمکتی ہوئی روشن مشعلوں اور ٹہنیوں کو پھڑپھڑاتے پروں میں بدل دیتا ہے۔ وہ دن جب تمہارا کوئی خط مجھ تک پہنچتا ہے' میرے لیے پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہونے جیسی مسرت کے مساوی ہوتا ہے' لیکن اس دن کے بارے میں کیا کہوں کہ جب مجھے ایک ساتھ تمہارے تین خط ملے ہیں؟ بے شک یہ وہ دن ہے جب میں وقت کے ہموار راستوں پر' تنہا ستونوں کے شہر' ارم' کی گلیوں میں سیر کرنے کو بھی فراموش کر دوں گا۔

میں تمہارے سوالوں کا کیسے جواب دوں؟ کیسے میں اپنی گفتگو کو جاری رکھ سکتا ہوں جبکہ میرے دل کی ایسی کیفیات بھی ہیں جنہیں اس سیاہی کی مدد سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا؟ پھر بھی ہمیں گفتگو جاری تو رکھنی ہے۔ تم وہ سب کچھ خود ہی سمجھ لو جو ان کہا رہ گیا ہے۔

تم نے اپنے پہلے خط میں لکھا ہے کہ "اگر میں نیویارک میں ہوتی تو تمہارے سٹوڈیو میں ضرور آتی"۔ کیا تم نے میرا سٹوڈیو نہیں دیکھا ہے؟

میرا سٹوڈیو میرا معبد ہے۔ وہ میرا عجائب خانہ' میری جنت اور میرا جہنم ہے۔ یہ جنگل ہے جس میں زندگی' زندگی کو پکارتی ہے اور ایک صحرا ہے' جس کے وسط میں' میں کھڑا ہوا اور مجھے اپنے ہر طرف ریت کے سمندر اور آسمان کے سمندر کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میری دوست' میرا سٹوڈیو ایک بے دیوار اور بغیر چھت کے ایک گھر ہے۔ میرے اس سٹوڈیو میں کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جنہیں میں بڑی حفاظت سے سنبھال کر رکھتا ہوں اور جو مجھے بہت عزیز ہیں۔ میں خاص طور پر نوادرات کا شائق ہوں۔ اس سٹوڈیو کے مختلف گوشوں میں ازمنہ قدیم کے نایاب اور بیش قیمت نوادرات سجے ہوئے ہیں۔ جیسے مصر' یونان اور روم کے بت اور کتبے ہیں۔ آتشیں شیشہ' ایرانی ظروف' قدیم کتب اور فرانسیسی اور اطالوی مصوری کے نمونے۔۔۔ اور موسیقی کے ساز ہیں جو خاموشی میں بھی بولتے ہیں۔ کسی روز میں ساحری کے سیاہ پتھر کا بت حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا کیونکہ مجھے ساحری سے متعلق ہر شے میں شدید دلچسپی ہے۔ ساحروں کی اسطوریات' ان کی شاعری' عبادات' جیومیٹری' ان کے فن اور ہنرمندیوں کی معمولی ترین باقیات جو امتداد زمانہ سے بچ رہی ہیں۔ یہ تمام چیزیں میرے اندر قدیم اور پراسرار یادوں کو بھر دیتی ہیں' مجھے گزرے ہوئے زمانوں میں لے جاتی ہیں اور مجھے مستقبل کی کھڑکی سے ماضی میں جھانکنے کا موقع دیتی ہیں۔ مجھے قدیم نوادرات سے عشق ہے۔ یہ اس لیے مجھے مرغوب ہیں کیونکہ یہ انسانی' ذہنی کاوش کے ثمرات ہیں۔ انسانی فکر کے ثمرات جو ہزاروں کی تعداد میں ایک جلوس کی صورت میں سفر کرتے ہوئے ظلمت سے روشنی کی طرف بڑھتے ہیں۔ یہ ازلی خیال جو سمندر کی تہہ میں جا ڈوبے ہیں تاکہ کہکشاؤں کی طرف بلند ہوں۔

جہاں تک تمہارے اس بیان کا تعلق ہے "تم کتنے مسرور ہو' جو اپنے فن سے اطمینان حاصل کرتے ہو"۔ میں دیر تک اس جملے پر غور کرتا رہا ہوں۔ نہیں' مے! میں نہ ہی مسرور ہوں اور نہ مطمئن۔ مجھ میں کوئی ایسا ہے جو کبھی مطمئن نہیں

ہو سکتا۔ لیکن وہ حریص بھی نہیں ہے۔ کوئی ایسا ہے جو مسرت سے ناآشنا ہے' لیکن وہ شکستہ حال بھی نہیں ہے۔ میرے داخل میں ایک مسلسل ارتعاش اور ایک ناختم کرب کی کیفیت موجود ہے۔ مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ختم کرنے کی چاہ نہیں ہے۔ ایسی کیفیت میں مبتلا شخص مسرت سے آشنا اور اطمینان کا حامل نہیں ہو سکتا' لیکن وہ شکایت بھی نہیں کرتا کیونکہ اس طور شکایت کرنے میں ایک خاص تسکین اور روحانی سرور پوشیدہ ہے۔

کیا تم اپنے عظیم جوہر سے مطمئن اور مسرور ہو؟ مجھے بتاؤ' مے' کیا تم خوش اور قانع ہو؟ مجھے تمہاری سرگوشی سنائی دے رہی ہے۔ "نہیں' میں نہ خوش ہوں اور نہ قانع"۔ قناعت' تسکین ہے اور تسکین کی ایک حد ہے' جبکہ تم خود غیر محدود ہو۔ جہاں تک مسرت کا تعلق ہے' یہ تب ملتی ہے' اگر انسان زندگی کی شراب سے مخمور ہو' لیکن جس کا پیالہ سات ہزار فرسنگ گہرا اور سات ہزار فرسنگ فراخ ہو' وہ تبھی مسرت پا سکتا ہے اگر زندگی اپنی تمام تر کلیت کے ساتھ اس کے پیالے میں آ بسے۔

مے' کیا خود تمہارا پیالہ ایک ہزار ایک فرسنگ والے پیالوں میں سے نہیں ہے؟

میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں' وہ خود میری ذہنی کیفیت ہے۔ ایک یا دو برس پیشتر میری زندگی سکون اور خوشحالی سے تہی نہیں تھی۔ لیکن اب سکون کی جگہ ابتری ہے اور خوشحالی کی جگہ جدال آ چکی ہے۔ لوگوں نے میرے دنوں اور راتوں کو ہڑپ کر لیا ہے اور میرے خوابوں کو اپنی خواہشات اور توقعات کے سیلاب میں غرق کر دیا ہے۔ متعدد بار میں اس شہر سے' جو ایک بہت دور کسی منزل کی جانب رواں دواں ہے' فرار ہوا تاکہ لوگوں سے اور میری موجود ذات کے بھوتوں سے اپنی ذات کو بچا سکوں۔ امریکہ کے باسی طاقتور' ان تھک' ضدی' مستعد' نیند اور خوابوں سے عاری لوگ ہیں۔ جب وہ کسی سے نفرت کرنے لگیں تو اسے اپنی بے اعتنائی سے ہی مار ڈالتے ہیں۔ اگر انہیں کسی سے محبت ہو جائے تو اپنی عنایات سے اس کے ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ جو شخص نیویارک میں رہنا چاہتا ہے' اسے چاہیے کہ وہ اپنے پاس ایک تلوار بھی رکھے' لیکن نیام شہد سے بھری ہوئی ہو۔ تلوار ان لوگوں کے لیے جو

وقت کو ضائع کرنا چاہتے ہیں اور شہد ان لوگوں کے لیے جو بھوکے ہیں۔

ایک دن آئے گا جب میں مشرق میں فرار ہو جاؤں گا۔ میرے وطن کی محبت نے مجھے نڈھال کر دیا ہے۔ کیا میرے اردگرد ایک قفس نہیں ہے' جس کی سلاخیں میں نے اپنے ہاتھوں سے آگ میں تپائی ہیں—— کون اپنے گھر کو فراموش کر سکتا ہے' جو پتھروں سے بنا ہے' اور جنہیں تراشنے اور لگانے میں اس نے اپنی تمام زندگی صرف کر دی ہے۔ چاہے وہ گھر اس کا قفس ہی کیوں نہ ہو' لیکن وہ اسے ایک دن کے لیے بھی فراموش کرنے کے نہ اہل ہے اور نہ آمادہ ہے۔

مجھے معاف کرنا دوست' میں نے اپنے بارے میں ایسی باتیں کر کے تمہیں پریشان کیا۔ اور تم سے ان معاملات کے متعلق شکایت کی جس کو کامیابی سے اپنا لینے کی میں خود ہی کوشش کر رہا ہوں۔

"المواقب" کے لیے تمہاری پسندیدگی نے اسے میری نظر میں بھی وقیع بنا دیا ہے۔ تمہارا یہ کہنا کہ تم اس کے اشعار حفظ کر لینا چاہتی ہو' مجھے تمہارے سامنے اس قدر شکرگزار بنا رہا ہے کہ میرا سر عاجزی سے جھک گیا ہے۔ لیکن میں خود یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمہاری عمدہ قوت حافظہ نظموں کو حفظ کر سکنے کے شایان شان ہے لیکن یہ میرے اشعار کی نسبت کہیں زیادہ ارفع' شاندار اور نفیس ہے یا جو شعر "المواقب" میں شامل ہیں' یا جو میں لکھ چکا ہوں یا ابھی لکھ رہا ہوں۔ تم نے کتاب میں موجود تصویری خاکوں کے بارے میں لکھا "تم فنکار لوگ اپنی حیرتوں کو ان قوتوں کے بل پر اظہار کرتے ہو' جو تم کو آسمان کے بادشاہوں نے ودیعت کی ہیں' لیکن جب ہم جیسے سامعین ان حیرتوں سے دوچار ہوتے ہیں' تو لاچار ہو جاتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس فہم کی کوئی ایسی طاقت نہیں ہے جس سے ہم انہیں سمجھ پائیں۔ سو اپنی جہالت کے سبب ہم تمہارے مقام کا درست تعین نہیں کر پاتے' "نتیجتاً" ہم بدحالی اور شکستگی کا شکار رہتے ہیں"۔

یہ ایسا انداز بیان ہے جو میرے لیے قابل گوارہ نہیں ہے۔ میں اس کے خلاف بغاوت کی خواہش کرتا ہوں (اور کتنی ہی بار میں ایسی بغاوت کر چکا ہوں) سے'

تم ہم میں سے ہی ہو‘ یقیناً تم فن کے بیٹوں اور بیٹیوں میں سے ایک ہو‘ جیسے گلاب کے پتوں کے بیچ گلاب کا پھول ہوتا ہے۔ "المحروسہ" میں تمہارے مضمون میں میری کتاب "پاگل" کی ڈرائنگز کے بارے میں متعدد پیرے ایسے ہیں جو تمہاری گہری فنکارانہ بصیرت کے غماز ہیں‘ جن سے ظاہر ہوتا ہے تمہارا نقطۂ نظر اور ناقدانہ جوہر کتنا بین ہے‘ جس سے تم وہ باتیں مشاہدہ کرلیتی ہو‘ جیسا ایک عام انسان کے بس میں نہیں ہے۔ اگر میرا یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ "تم پہلی مشرقی لڑکی ہو جو یونانی بہنوں پلیڈلیس کے جنگل میں داخل ہوئی ہو‘ پر اعتماد قدموں اور بلند سر کے ساتھ اور یوں مسکراتے ہوئے جیسے یہ جنگل بس تمہارا ہی گھر ہے"۔ مجھے بتاؤ تم نے یہ سب کچھ کیسے جانا‘ یہ خزانے جو تمہارے بستر میں موجود ہیں‘ تم نے کہاں سے پائے اور تمہاری روح لبنان میں آنے سے قبل کس دور میں زندہ رہی؟ ایک فطین انسان میں ایسا گہرا اسرار پنہاں ہوتا ہے‘ جیسے اسرار سے خود زندگی بھی تہی داماں ہوتی ہے۔

تم جاننا چاہو گی کہ مغربی مصنفین کی میرے بارے میں کیا رائے ہے۔ تمہارے اشتیاق اور جذبہ حب الوطنی کو ہزاروں سلام۔ انہوں نے میرے بارے میں بہت کچھ کہا‘ اور پھر جو کچھ کہا‘ اسے مبالغے کی حدوں تک لے گئے۔ وہ اپنی آراء کے اظہار میں انتہاؤں کو چھو لیتے ہیں‘ وہ مجھے ایک خرگوش کی بجائے ایک اونٹ ثابت کرتے ہیں۔ میری رفیق‘ خدا جانتا ہے کہ میں نے جب بھی اپنے بارے میں ان مدحیہ جملوں کو پڑھا‘ تو میرے دل میں اذیت کی ٹیسیں اٹھیں۔ ہمارے بارے میں کسی کی خوشنودی ذمہ داری ہی کی ایک صورت ہے‘ جو دوسرے ایک مختلف روپ میں ہم پر عاید کرتے ہیں اور جو ہمیں ہماری کمزوری سے آگاہ کر دیتی ہے۔ لیکن ہمیں اپنے کندھوں پر لدے اس بار گراں کے ساتھ آگے بڑھتے رہنا ہوتا ہے اور اپنی کمزوری ہی سے ہم اپنے لیے توانائی اخذ کرتے ہیں۔

میں تمہیں ایک مختلف لفافے میں‘ مختلف اخبارات اور جرائد کے تراشے بھیج رہا ہوں‘ ان سے تمہیں اندازہ ہوگا کہ مغربی انسان اپنی روحوں کے بھوتوں سے اوب گیا ہے اور اسے اپنے وجود سے ہی بے زاریت محسوس ہونے لگی ہے۔ اسی لیے

وہ بدیسی اور غیر مانوس چیزوں اور خاص طور پر مشرقی چیزوں پر کیسے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ ایتھنز کے لوگوں کا' سنہری دور کے انحطاط کے بعد' کچھ ایسا ہی حال تھا۔ قریب مہینہ بھر پہلے میں نے جناب ایمل زیدان کو "پاگل" سے متعلق اخباری تراشوں کا ایک پلندہ بھیجا تھا۔ زیدان صاحب یقیناً تمہارے جاننے والوں میں سے ہیں۔

میں خدا کا بہت شکرگزار ہوں کہ تمہاری طرف ملکی بحران کا اب خاتمہ ہو چکا ہے۔ میں وہاں ہونے والے جلوسوں کے بارے میں خبریں پڑھا کرتا تھا۔ میں تمہارے خوف اور غصے کا بھی تصور کرتا تھا' جس سے میں خود خوف زدہ اور مشتعل ہو جاتا تھا۔ تب ایسی کیفیت میں اکثر میں شیکسپیئر کے یہ اشعار پڑھا کرتا ہوں۔

.... انسان سے خوف زدہ مت ہو۔

بادشاہ کا ایسی الوہیت نے احاطہ کر لیا ہے۔

جس میں یہ تجسس جھانک کر وہ کچھ دیکھ سکتا ہے' جو کچھ ہو گا

اور ہونے والے واقعات اس کی منشاء کے تابع نہیں ہیں۔

مے' تم ان انسانوں میں سے ہو جو محفوظ ہیں' جو اپنی ذات میں ایک فرشتہ ہوتے ہیں اور خدا جن کی ہر برائی سے حفاظت کرتا ہے۔

تم بھی پوچھتی ہو کہ کیا واقعی تمہارا کوئی دوست دنیا کے اس خطے میں موجود ہے۔

اس زندگی اور اس میں شامل زخم آلود مٹھاس اور الوہی تلخی کے وسیلے سے دنیا کے اس خطے میں واقعی تمہارا ایک دوست موجود ہے' وہ دوست تمہارا دفاع کرنا چاہتا ہے' وہ تمہیں خوش و خرم دیکھنا چاہتا ہے' اور خیال رکھتا ہے کہ کہیں تمہیں کوئی گزند تو نہیں پہنچی۔ بعض اوقات وہ دوست جو بہت دوری پر موجود ہو' اس دوست سے' جو بظاہر بہت قریب بیٹھا ہو' کہیں زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ کیا ایک پہاڑ اس شخص کی نسبت' جو وادی کا باشندہ ہے' اس شخص کے لیے زیادہ متاثر کن اور صاف دکھائی دینے والا منظر نہیں ہوتا جو وادی میں سے گزر رہا ہو۔

رات نے سٹوڈیو پر اپنا پردہ گرا دیا ہے۔ مجھے اب دکھائی نہیں دیتا کہ میرے

ہاتھ کیا لکھ رہے ہیں؟ میری جانب سے تم ہزاروں مبارکباد اور سلام قبول کرو۔ خدا ہمیشہ تمہارا حافظ و ناصر رہے۔

تمہارا

خلیل جبران خلیل

نیویارک

۲۵ر جولائی ۱۹۱۹ء

میری پیاری مے!

تم تب سے میرے ذہن میں سمائی ہوئی ہو' جب میں نے تمہیں آخری خط لکھا تھا۔ میں نے کتنے ہی گھنٹے گزار دیئے' تمہارے بارے میں سوچتے ہوئے' تم سے باتیں کرتے ہوئے' تمہارے رازوں کو دریافت کرتے ہوئے اور تمہارے اسراروں کو افشا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ لیکن یہ بات میرے لیے باعث تعجب ہے کہ میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں تمہاری غیر مرئی ذات کو موجود محسوس کر رہا ہوں' جو میری حرکات و سکنات پر نگاہ رکھے ہوئے ہے' مجھ سے باتیں اور بحث کر رہی ہے اور میری ہر ہر حرکت پر رائے دیتی ہے۔

تم مجھ سے ایسی باتیں سن کر ضرور حیران ہو رہی ہوگی۔ میرے لیے بھی یہ حیران کن بات ہے کہ میں تمہیں لکھنے کی شدید خواہش اور ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس ضرورت اور فوری حاجت کے پس پردہ موجود مخفی راز کو سمجھنا میرے لیے ممکن ہو جائے۔

تم نے ایک بار کہا تھا کہ "ذہنوں کے بیچ ہمیشہ ایک گفتگو کا سلسلہ اور خیالات کے بیچ تعامل کا عمل جاری رہتا ہے۔ ان دونوں کا حتمی آگہی کے علاقہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور کوئی ان لوگوں کے ذہنوں اور خیالات سے اس گفتگو کے سلسلہ اور تعامل کے عمل کو کافور نہیں کر سکتا' جو ایک ہی سرزمین کے باشندے ہوں"۔

اس خوبصورت پیرے میں ایک بنیادی سچ موجود ہے۔ پہلے یہ مجھ پر ایک قسم

کے ذہنی تفکر کے باعث واضح ہوا تھا' لیکن اب ذاتی تجربے کے نتیجے میں مجھ پر عیاں ہوا ہے۔ میں نے حال ہی میں ایک معاہدہ کیا ہے' جو مجرد' نفیس' پختہ' عجیب اور اپنی ہیئت اور خصوصیات میں دوسرے کسی بھی معاہدے کی نسبت مختلف ہے۔ ایک ایسا معاہدہ جس کا موازنہ کسی طور بھی فطری خاندانی معاہدوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ ایسا معاہدہ جو بلاشبہ اخلاقی معاہدوں سے بھی زیادہ مستقل مزاج' حتمی اور پائیدار ہے۔

اس معاہدے کے دھاگوں میں سے کوئی ایک دھاگہ بھی ایسا نہیں جسے دنوں اور راتوں سے بنا گیا ہو' جو وقت کو ماپتے اور فاصلے کو بکھیر دیتے ہیں۔ جن سے پنگھوڑے اور قبر کے بیچ ایک واضح بعد قائم ہوتا ہے۔ ان دھاگوں میں سے ایک بھی ماضی کی دلچسپیوں اور مستقبل کی آرزوؤں سے نہیں بنا گیا ہے کیونکہ یہ معاہدہ دو ایسے انسانوں کے بیچ استوار ہوا ہے' جو نہ ماضی اور نہ ہی حال کی وساطت سے اکٹھے ہوئے ہیں اور نہ ہی مستقبل کی طاقت نے انہیں یکجا کیا ہے۔

مے' اس قسم کے معاہدے میں' اس طرح کے ذاتی جذبے میں' اس قسم کی مخفی باہمی مفاہمت میں' وہ خواب پنہاں ہیں جو ہر اس شے سے کہیں زیادہ بدیسی اور بے انتہا گہرے ہیں' جو انسانی سینے میں موجیں مارتے ہیں۔ خواب در خواب' در خواب۔

مے' اس قسم کی مفاہمت ایک گہرا اور خاموش گیت ہے جسے رات کے سناٹے میں سنا جا سکتا ہے۔ یہ ہمیں دن کے حلقے سے پرے' رات کے حلقے سے پرے' وقت سے پرے' ابدیت سے پرے کہیں لے جاتا ہے۔

مے' اس قسم کے جذبے میں شدید ٹیسیں شامل ہیں' جو کبھی ختم نہیں ہوتیں' لیکن جو ہمیں عزیز ہوتی ہیں اور چاہے ہمیں اس کا کتنا ہی موقع ملے' ہم اس سے بے بہا حقیقی یا تخیلاتی عظمت اور مسرت کے بدلے میں بھی دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

جو کچھ بھی میں نے کہا' وہ دراصل تم سے وہ سب کچھ کہہ دینے کی ایک سعی تھی جو صرف وہی شخص تم سے کہہ سکتا ہے جو تمہاری ذات کے تمام نہاں پہلوؤں کو

جانتا ہے۔ سو اگر میں کوئی ایسا راز سمجھ پایا ہوں جس سے تم خود بھی غیر آگاہ نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں زندگی نے اپنی عنایات سے نوازا ہے اور جنہیں "سفید تخت" کے آگے کھڑا ہو جانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اگر میں کسی ایسی بات کی تہہ تک ہی پہنچ پایا ہوں' جو میرے لیے مانوس ہے اور جس کا تعلق صرف مجھ سے ہی ہے' تو پھر اس خط کا صحیح ترین مقام آتش دان بنتا ہے۔

میری رفیق! میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم مجھے خط لکھو۔ میں تم سے التجا کرتا ہوں اسی آزاد' ہمدرد اور بلند جذبے کے ساتھ لکھو جو انسانی حدوں سے بہت اوپر پرواز کر جائے۔ ہم دونوں انسانیت کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان دلچسپیوں کے بارے میں جانتے ہیں جو انسانوں کو اکٹھا کرتی ہیں اور ان حقائق کے بارے میں جانتے ہیں جو انہیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔

کیا ہم ان پیش پا افتادہ راستوں سے اپنی نظریں نہیں ہٹا سکتے اور کیا ہم کچھ دیر کے لیے ٹھہر کر ان منظروں میں نہیں جھانک سکتے' جو رات سے پرے' دن سے پرے' وقت سے پرے اور ابدیت سے پرے موجود ہیں؟

مے' خدا تمہیں اپنی پناہ میں رکھے اور تمہارا حافظ ہو۔

تمہارا سچا دوست
خلیل جبران خلیل

نیویارک

۹ر نومبر ۱۹۱۹ء

مے!

تم مجھ سے ناراض اور ناخوش ہو۔ تمہیں اس کا پورا حق ہے۔ اپنے طور پر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ خود کو تمہاری رضا کے آگے جھکا دوں۔ کیا تمہیں میری وہ سب غلطیاں جو مجھ سے سرزد ہوئی ہیں' معاف نہیں کر سکتی۔ میں جو اب ماپنے اور وزن کیے جانے کی دنیا سے بہت دور ہو چکا ہوں۔ کیا تم وہ سب کچھ دنیا کے اس طلائی صندوق میں بند نہیں کر دو گی جو غیر اہم ہے اور سنہری صندوق میں رکھنے کے لائق نہیں ہے؟

جو موجود نہیں ہے' وہ اس کے بارے میں جو موجود ہے' صحیح ترین معلومات نہیں رکھ سکتا۔ نیز اسے ایک جرم تصور کرنا بھی موزوں نہیں ہے' کیونکہ بغیر علم اور آگہی کے کوئی جرح ممکن نہیں ہے۔ میری ایسی کوئی خواہش نہیں ہے کہ میں ان لوگوں کے ہاتھوں پر غیر ارادی طور پر پگھلا ہوا سیسہ یا ابلتا ہوا پانی انڈیلوں' جن کے پاس مکمل علم ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر جرم اپنے طور پر اس مجرم کے لیے ایک سزا ہی ہوتا ہے اور یہ کہ بہت سے لوگوں کی زندگی میں موجود المیہ دراصل اس کو تفویض کردہ کام میں پنہاں ہوتا ہے۔

مجھے اس موصل عنصر میں وہ تسکین اور فرحت میسر آتی ہے' جس کے آگے تمام فاصلے' بندشیں اور رکاوٹیں عنقا ہو جاتی ہیں۔ تنہا انسان سوائے اس عنصر کے کسی اور چیز میں فرحت اور طمانیت نہیں پاتا۔ یہی اسے اپنی جانب راغب کرتا ہے اور

اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ تم—— تم جو اکثر داخلی بصیرت کی دنیا میں رہتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے اندر موجود موصل عنصر اس سب سے دور اور تنہا ہے' جو کہ ہم کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان اشیاء سے بھی جو زبانی اظہار کی انتہائی فصیح اور فن کارانہ تمناؤں کی صورت ہیں' اگرچہ یہ ہمارے اندر کی شاعری سے مشابہ ہے یہ خود سے گیت نہیں لکھ سکتی۔ نہ ہی یہ ایسے اسراروں کو کوئی ہیئت یا رنگ دے سکتے ہیں۔ جب اپنی پسند اور ناپسند کی بات آتی ہے تو انسان اس اہل ہے کہ وہ کسی کو دھوکہ دے اور اپنی خواہشات کے ساتھ فریب کرے اور اپنے خیالات کو بدل سکے۔ لیکن اس پردۂ زمین پر کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو اپنی تنہائی کو فریب دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ یا وہ اپنی بھوک اور پیاس سے مذاق کر سکے اور انہیں بدل ڈالے۔ نہ ہی یہاں کوئی ایسا انسان موجود ہے جو اپنے خوابوں کو نئے روپ میں ڈھال سکنے کی اہلیت کا حامل ہو۔ یا شبیہوں کا آپس میں تبادلہ کر سکے یا اپنے رازوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔ کیا یہی بات ہے کہ ہمارے اندر جو کچھ لاغر اور نحیف مادہ ہے وہ مضبوط اور تنومند حصہ کو متاثر کرتا ہے۔ کیا یہ موجود ذات' جو خدا کے فرمان کے تحت زمین سے چمٹی ہوئی ہے یعنی داخلی ذات جو بہشت سے آئی ہے۔ جب "نیلا شعلہ" ناقابل تبدیل حد تک دمکتا ہے تو وہ سب کچھ بدل دیتا ہے لیکن خود نہیں بدلتا' وہ متاثر کرتا ہے' لیکن خود متاثر نہیں ہوتا۔

تم جو اعلیٰ اذہان والے لوگوں میں سے ہو' کیا تم واقعی ایسا سوچتی ہو کہ یہ "معتدل طنز" اس میدان میں پنپ سکتا ہے جس میں درد نے بیج بویا ہے' تنہائی نے اس کی آبیاری کی ہے اور بھوک اور پیاس نے فصل کاٹی ہے؟ کیا تم سوچتی ہو کہ فلسفیانہ چٹکلے سچ کی محبت اور مطلق اور حتمی ہستی کی خواہش جیسے احساس کے حامل ہو سکتے ہیں؟ نہیں' میری رفیق۔ تم شک اور وسوسے کے ایسے احساسات سے ماورا ہو' کیونکہ شک خوف کی گھڑی اور ایک منفی شے ہے' جبکہ وسوسہ ان لوگوں میں جگہ پاتا ہے' جو خود پر اعتماد کھو دیتے ہیں۔ لیکن تم طاقتور اور مثبت سوچ والی عورت ہو۔ تم اعتماد کے جوہر سے مالا مال ہو۔ سو تم ان باتوں پر کیوں یقین نہیں کرتی ہو جن کو تقدیر

تمہارے ہاتھ کی ہتھیلی میں لکھ چکی ہے؟ اور تم کیوں اپنی نگاہ اپنے اندر کی خوبصورتی کی طرف نہیں پھیرتی جو سچ ہے' اور باہر کی خوبصورتی سے' جو محض ظاہری دھوکہ ہے' بہت مختلف ہے؟

میں نے گرمی کے مہینے ایک بالکل تنہا گھر میں گزارے ہیں' جو کسی خواب کی طرح کا ہے اور جنگل اور سمندر کے بیچ استادہ ہے۔ جب میں اپنے آپ کو جنگل میں کھو دیتا تو خود کو پھر سے پانے کے لیے سمندر کی طرف رجوع کرتا اور جب خود کو لہروں میں کھو بیٹھتا تو درختوں کی چھاؤں میں یکجا ہونے چلا جاتا۔ اس قصبے کے درخت دنیا بھر کے درختوں سے بہت مختلف ہیں۔ یہ سرسبز ہیں' گنجان اور بہت پھیلے ہوئے ہیں اور تاریخ سے بھی پہلے کے وقت میں' ابتداء میں جا پہنچتے ہیں۔ "ابتداء میں لفظ تھا اور لفظ خدا کے ساتھ تھا اور لفظ ہی خدا تھا"۔ ہمارا سمندر تمہارا سمندر بھی ہے۔ وہ بلند ہوتی آواز جو تم کو مصر کے ساحلوں پر سنائی دیتی ہے' وہی آواز ہم ان ساحلوں پر بھی سنتے ہیں۔ اور وہ موسیقی جو تمہارے دلوں کو ایک ایسی زندگی سے بھر دیتی ہے جو حیرت انگیز اور ہولناک ہے' وہی موسیقی ہمارے دلوں کو بھی ایک ایسی زندگی سے مملو کر دیتی ہے جو حیران کن اور ہولناک ہے۔ میں نے مشرق میں اور مغرب میں سمندر کی موسیقی کو سنا ہے۔ دونوں میں وہی ابدیت کا لافانی گیت گونجتا ہے' جو روح کو ارفع ترین بلندیوں پر لے جاتا یا نیچے زمین پر لے آتا ہے۔ کبھی یہ تمہیں مسرت سے' اور کبھی غم سے بھر دیتا ہے۔ میں نے اسی موسیقی کو اسکندریہ کے صحراؤں میں سنا ہے ـــــ ہاں واقعی اسکندریہ کے صحراؤں میں ۱۹۰۳ء کے موسم گرما میں سنا تھا اور از منہ قدیم کی وہی زبان ایک قدیم تہذیب کے سمندر سے سنی تھی جو میں نے کل ایک جدید تہذیب کے سمندر سے سنی ہے۔ میں نے پہلی بار یہ زبان آٹھ برس کی عمر میں سنی تھی۔ میں الجھن کا شکار تھا' میری زندگی اضطراب کا شکار ہوگئی اور میں نے اپنے سوالات کے پشتے سے اپنی ماں کی (خدا اس کی مغفرت کرے) برداشت اور تحمل کو امتحان میں ڈال دیا تھا۔

یہی زبان میں نے آج سنی ہے اور میں ویسے ہی سوال پوچھتا ہوں۔ اب

"کائناتی ماں" ہی مجھے ان سوالوں کے جواب دیتی ہے اور لفظوں کے سہارے کے بغیر یہ بہت سی ایسی باتوں کو سمجھنے میں میری مدد کرتی ہے، جو تب میری زبان پہ آن کر خاموشی میں ڈھل جاتی ہیں، جب میں انہیں دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں سمندر کے ساحل پر بیٹھتا ہوں، افق میں دور کے مقام کو دیکھتا ہوں اور ہزارہا سوالات پوچھتا ہوں۔ یہ وہی سوال ہیں جبکہ میں خود کو ۸۰ برس کا بوڑھا محسوس کرتا ہوں، لیکن یہی سوال میں تب بھی پوچھتا تھا جب میں محض آٹھ برس کا تھا۔ "کیا تمہارے علاقے میں کوئی ایسا ہے جو ان سوالوں کے جواب دے سکے"۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ وقت کے دروازے ایک لمحے کے لیے وا ہو جائیں تاکہ ہم جان لیں کہ ان کے عقب میں کیا اسرار و رموز پنہاں ہیں؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ "تم زندگی کے طاقتور مخفی ضابطوں میں سے کوئی ایک لفظ ہی ادا کر دو، اس سے پیشتر کہ موت اپنا سفید پردہ ہمارے چہروں پر گرا دے؟" تم پوچھ سکتی ہو کہ کیا میں ایک روشن دل کے فیوض و برکات کی توصیف کرتا ہوں۔ میں بلاشبہ ان برکات کا معترف ہوں اور میری توصیف عظیم ہے لیکن صرف اسی صورت میں جب میں یہ سب کچھ اپنی ذاتی زبان میں ترجمہ کرنے کے اہل ہو جاؤں گا۔

کٹھن کاوش وہ سیڑھی ہے جو ہمیں ارفع ترین مقام تک لے جاتی ہے۔ بے شک میں اڑان بھر کر اپنے ارفع مقام تک جا پہنچوں گا۔ لیکن زندگی نے میرے پروں کو پھڑپھڑانا اور اڑان بھرنا نہیں سکھایا۔ میں اب کیا کروں؟ کیونکہ فی الاصل میں اس سچ کو ترجیح دیتا ہوں جو ظاہری پردے کے پیچھے مخفی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے میں اس ادراک کو جو خاموش، مکمل اور تسلی بخش ہے، اس ادراک پر ترجیح دیتا ہوں جو تجزیہ اور جواز کا مطالبہ کرتا ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ وجد آمیز خاموشی کی ابتداء ایک وجد آمیز حرف سے ہی ہوتی ہے۔

میں اطمینان قلبی کی برکات کا معترف ہوں۔ میں سوائے الجھاؤ کے زندگی کی ہر شے کی توصیف کرتا ہوں اور اگر یہ تمام خصوصیات الجھاؤ میں ڈھل جائیں تو میں آنکھیں بھینچ لیتا ہوں اور خود سے سرگوشی کرتا ہوں۔ "یہ ایک مزید صلیب ہے جو

مجھے برداشت کرنی پڑے گی' ان سینکڑوں ملیسوں کے ساتھ جو میں نے اب تک برداشت کی ہیں"۔ لیکن الجھاؤ کی کیفیت میں ہونا بجائے خود کوئی بہت قابل نفرین بات نہیں ہے۔ یہ اس نقطہ تک میرے ساتھ رہتی ہے' جہاں میں اس سے اوب جاتا ہوں۔ یہ وہ روٹی بن جاتی ہے جو میں کھاتا ہوں' وہ پانی جو میں پیتا ہوں' وہ بستر جس پر میں سوتا ہوں اور وہ لباس جسے میں پہنتا ہوں۔ میں اس قابل بھی نہیں رہتا کہ اسے اپنی زبان سے بیان ہی کر سکوں' میں اس کے سائے سے بھی فرار ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ میری کتاب "The Procession" پر تمہارا مضمون عربی زبان میں اپنی نوعیت کا واحد مضمون ہے۔ یہ اس حوالے سے کہ کتاب لکھتے ہوئے مصنف کے ذہن میں کس نوعیت کے رجحانات تھے' پہلا تجزیاتی مقالہ ہے۔

مصر اور شام کے ادیب اس حوالے سے تم سے بہت کچھ سیکھیں گے کہ کتاب کی ہیئت کی بجائے اس کے اصل جوہر پر کیوں تنقید لکھی جائے اور یہ کہ شاعری کی ظاہری اصناف کا تجزیہ کرنے سے کیسے شاعر کی ذہنی مسافت کو سمجھا جائے؟ شاید مجھے تمہارے تحلیل نفسی پر مبنی مضمون کے لیے اس قدر شکرگزار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ خالص معروضی نقطۂ نگاہ سے لکھا گیا ہے۔ اگر واقعی میں اپنی قوم کی طرف سے کھل کر اپنی شکرگزاری کا اظہار کرنا چاہتا ہوں تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں تمہارے مقالے پر کوئی مقالہ لکھوں۔ جبکہ یہ بات مشرق میں ہم لوگوں کو بہت بھلی نہیں لگتی لیکن میں ضرور سب کے سامنے کہوں گا کہ میں ے اور اس کی خوبیوں کے متعلق کیا سوچتا ہوں اور جو کچھ میں اس کے بارے میں کہوں گا وہ معمولی نہ ہوگا۔ وہ ایک کھلا اور طویل اظہار خیال ہوگا اور چونکہ وہ سچ ہوگا سو خوبصورتی سے بھی مالا مال ہوگا۔

جو کتاب اس موسم خزاں میں چھپ جائے گی وہ سرکشی اور بغاوت کے شور سے آزاد میری ڈرائنگز پر مشتمل ہوگی۔ اگر ناشرین نے ہڑتال نہ کی ہوتی تو یہ تین ہفتے پہلے ہی چھپ کر مارکیٹ میں آ جاتی۔ اگلے سال دو کتابیں چھپ جائیں گی۔

"المستاہد" (اکیلا آدمی)' جسے میں ایک دوسرا نام دوں گا اور جو حکایتوں اور نظموں پر مشتمل ہوگی۔ دوسری کتاب علامتی ڈرائنگز کا مجموعہ ہے۔ اس کا نام "نحو اللہ" (خدا کی جانب) ہے۔ دوسری کتاب میری ایک ذہنی کیفیت کا اختتام اور ایک نئی کیفیت کا آغاز کی ترجمان بھی ہوگی' جیسا کہ "پیغمبر" تھی۔ یہ ایسی کتاب ہے جسے میں نے ہزار برس قبل لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن جس کے ابواب کو میں پچھلے برس ہی صفحہ قرطاس پر اتار سکا۔ اس پیغمبر کے بارے میں میں کیا بتاؤں؟ یہ میری پیدائش نو ہے اور میری اولین بپتسمہ ہے۔ یہ میرا واحد خیال ہے جو مجھے اس درجہ وقیع بنا دے گا کہ میں سورج کے مقابل کھڑا ہوسکوں۔ کیونکہ اس "پیغمبر" نے اس سے پیشتر کہ میں اسے لکھتا' مجھے ہی صفحے پر لکھ دیا۔ اس سے پیشتر کہ میں اسے تخلیق کرتا اسی نے مجھے تخلیق کر دیا۔ اس نے خاموشی کے ساتھ مجھے ایک راستے پر چلا دیا تاکہ میں سات ہزار فرسنگ تک اس کا تعاقب کروں۔ حتیٰ کہ یہ میرے سامنے ظاہر ہو اور مجھے اپنی خواہشات اور میلانات نقل کرائے۔

براہ کرم میرے رفیق اور مددگار موصل عنصر سے اس پیغمبر کے بارے میں پوچھو کہ وہ تمہیں اس کی کہانی سنائے۔ اس موصل عنصر سے پوچھو' اس سے رات کے سناٹے میں پوچھو جب روح اپنی بیڑیوں کو توڑ ڈالتی اور اپنی پوشاک اتار پھینکتی ہے۔ یہ تم پر اس پیغمبر کے اسرار اخفاء کرے گا اور ان تمام پیغمبروں کے راز جو اس ایک کے بعد آئے۔

میری رفیق' مجھے یقین ہے کہ اس موصل عنصر میں بڑی استقامت ہے کہ اس کا محض ایک ایٹم ایک پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے بلکہ میں جانتا ہوں کہ ہم اس عنصر کو ایک تار کی مانند ملک سے ملک تک پھیلا سکتے ہیں' یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم وہ سب کچھ جان لیں گے جسے جاننے کی ہمیں خواہش ہے اور وہ سب کچھ حاصل کر لیں گے جسے حاصل کرنے کے ہم متمنی ہیں۔

میرے پاس اس موصل عنصر کے متعلق لکھنے کو بہت کچھ ہے اور دیگر تمام عناصر کے متعلق بھی۔ لیکن مجھے ان تمام عناصر کے متعلق کچھ نہیں لکھنا چاہیے۔ میں

خاموش رہوں گا حتیٰ کہ دھند چھٹ جائے' وقت کے در وا ہو جائیں اور خدا کا فرشتہ مجھ سے خطاب کرے۔ "بولو— کیونکہ چپ رہنے کا لمحہ گزر گیا' آگے بڑھو کیونکہ الجھاؤ کے سایوں میں تمہارے قیام کا وقت تمام ہوا"۔

کب وقت کے در وا ہوں گے؟ کیا تم جانتی ہو؟ کیا تم جانتی ہو کہ کب وقت کے در وا ہوں گے اور دھند چھٹے گی؟

خدا تم پر سلامتی بھیجے اور تمہیں اپنی امان میں رکھے۔

تمہارا مخلص
خلیل جبران خلیل

نیویارک

۲۸ر جنوری ۱۹۲۰ء

میری پیاری مے!

تم میری ندامت کا صحیح ترین مفہوم اور میری معافی کی درخواست کے پس پشت کارفرما مخفی راز کو جاننا چاہتی ہو تو پھر سنو۔ یہ میری ندامت کے پس پشت موجود راز تھا اور ہے جو میں سیدھے اور صاف انداز میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔ اور یہی کچھ میری نفسیاتی زندگی کے معاملات' اسرار اور مفاہیم کے عقب میں موجود ہے۔

مجھے وہ خط لکھنے پر کوئی ندامت نہیں ہے' جسے تم نے میری "غنائی نظم" کا نام دیا ہے اور نہ ہی اس بات پر کبھی مجھے ندامت ہوگی۔ نہ مجھے کسی مختصر ترین یا بہت بڑے خط پر ہی کوئی ندامت ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگی۔

میں بھٹکا ہوا نہیں ہوں' اس لیے اس بات کی کوئی وجہ نہیں بنتی کہ میں تلافی کا خواستگار بنوں۔ آخر میں اس شے کے لیے کیسے نادم ہو سکتا ہوں جو ہمیشہ سے ویسے ہی موجود ہے جیسے یہ اب ہے؟ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ایسی بات کہنے پر ندامت محسوس کریں جو ان کے اندر کی بات ہو۔ نہ ہی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ان باتوں کو بیداری کی کیفیت میں رد کر دیتے ہیں جن کا وہ اپنے خوابوں میں اعتراف کرتے ہیں۔ کیونکہ میرے خواب ہی میری بے داری ہیں اور میری بیداری میرا خواب ہے اور نہ ہی میری زندگی ایک قدم آگے بڑھانے اور دو قدم پیچھے ہٹانے میں ضائع ہوئی ہے۔ واحد گناہ جس کا میں نے ارتکاب کیا' یا جس کے متعلق میں سوچتا ہوں کہ وہ مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ مجھ سے یعنی جو ناپ تول کی دنیا سے بہت دور

ہوچکا ہے۔ وہ گناہ' وہ شخص تھا' جو تمہارے بیان کے مطابق تمہارے قاہرہ سے اسکندریہ کے صحراؤں کی طرف روانہ ہونے سے قبل تم سے ملا اور مجھے افسوس ہے کہ تم نے اس کی ناعاقبت اندیشی کی سزا کے طور پر اس کے ہاتھوں پر ابلتا ہوا پانی کیوں نہ ڈالا؟ تمہارا خط پڑھنے کے بعد میں نے ایسی بات محسوس کی جو مجھے اپنا اصل خط سپرد ڈاک کرنے سے قبل محسوس کرنی چاہیے تھی۔ میں نے سوچا یا تصور کیا ہے کہ میرے خط سے تم برہم ہوئی ہو۔ کیونکہ میں نے اس واقعہ کا ذکر ایک خط میں کر دیا تھا' جسے دیگر افراد بھی پڑھ سکتے تھے۔ آخر ایسی بات پر ہم میں سے کون ایسا ہے جو برہم نہیں ہوگا کہ وہ دیکھے کہ اس کے انتہائی ذاتی معاملات کی خبر دوسروں کو پہنچ رہی ہے اور وہ آنکھیں انہیں پڑھ رہی ہیں' جنہیں ہماری ایسی باتیں جاننے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہی بات ہے جسے میں دیر سے سمجھ پایا اور جس پر اب میں نادم ہوں اور یہی وہ واحد شے ہے جسے میں تم سے "نسیان کے صندوق" میں چھپا دینے کی درخواست کرتا ہوں۔ میں احتساب کا قائل ہوں لیکن اس وقت احتساب کا تصور اس دنیا سے' جو اس وقت میرے تفکرات میں آباد ہے' اس قدر دور ہے جیسے جہنم بہشت سے دور ہے۔

پارسال مجھے احتساب کے حوالے سے ایسی بات جاننے کو ملی' جسے سن کر خانقاہوں میں بیٹھے الو بھی قہقہے لگا کر ہنس پڑیں گے۔ سنسر کے دفتر کے چند نوجوان ملازمین نے مشرق سے آنے والی میری تمام ڈاک کھول کر پڑھی' پھر اس میں اپنی طرف سے حاشیوں' مبارکبادیوں' شکرگزاریوں اور سیاست' تہذیب اور ادب پر اپنے ذاتی تاثرات کے اضافے کیے اور کچھ نے تو مجھ سے پیسے کی درخواست کرتے ہوئے بے مثال بہانے بھی تراشے۔

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ دمشق کے سنسر کے دفتر نے یہ دیکھنے پر کہ میرے خط میں کچھ خالی جگہیں موجود ہیں' زینت آرائی کی خاطر اپنی جانب سے طویل قصیدہ تحریر فرمایا۔ اگر میں تمہیں اس نظم کا قصہ سنا دوں تو تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ

گی۔

لیکن اس دوسرے خط میں یہ نام نہاد "غنائی نظم" میری جانب سے ہے۔ میری جانب سے اور خود میری—— یہ میں ہوں جیسا کہ میں تھا اور جیسا میں ہوں گا۔ بجائے خود وہ خط ویسا ہی ہے' جیسا وہ کل تھا اور جیسا وہ کل ہوگا۔ آخر تم میری شک کرنے والی ذات پر اعتماد کیوں نہیں کرتی؟ کیا تم اپنی انگلی زخم میں گھسیڑنا چاہتی ہو؟

مجھے اجازت دو کہ میں کلبیت کے لیے اپنی ناپسندیدگی سے منحرف ہو جاؤں۔ مجھے ان لوگوں کے بیچ جو روحانی مفاہمت کی سطح پر جا پہنچے ہوں' چھل بازی ناپسند ہے' چاہے یہ فلسفیانہ ہو یا غیر فلسفیانہ۔ مجھے ہر طرح کے معاملات میں چاہے وہ کتنے ہی ارفع ہوں' شرمندگی اور ندامت کے احساس کی موجودگی پسند نہیں ہے۔ اس ناپسندیدگی کی وجوہات کی بنیاد اس میکانکی تہذیب کے مظاہرات میں موجود ہے' جو میں ہر لمحہ اپنے اردگرد دیکھتا ہوں اور اس معاشرے کے اثرات میں موجود ہے جو پہیوں پر چلتی ہے' کیونکہ یہ پروں سے محروم ہے۔

تم نے مجھ پر جو تہمت لگائی ہے کہ میں بہت نک چڑھا ہوں' تو میرے خیال میں تمہاری یہ بات میری اس بات کا نتیجہ ہے جو میں نے "پاگل" میں کہیں لکھی ہے۔ اگر میں صحیح کہہ رہا ہوں تو کتاب میں کچھ بھی لکھے جانے سے پہلے مجھے خود ہی یہ الزام اپنے ذمہ لے لینا چاہیے۔ کیونکہ اس کے باوجود کہ "پاگل" کا کردار مکمل طور پر میں نہیں ہوں لیکن اس کے ذریعے میں نے جن حالات اور میلانات کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے وہ سراسر میرے ہی ہیں۔ تاہم یہ درست ہے کہ جو لہجہ میں نے "پاگل" کے کردار کے لیے موزوں محسوس کیا ہے۔ اگر میں خود اپنے ایسے دوستوں کے ساتھ بیٹھوں' جن سے مجھے محبت ہو اور جن کا میں احترام کرتا ہوں' تو میں کبھی ویسا لہجہ اختیار کرنا پسند نہیں کروں گا۔ تاہم اگر تم میری حقیقت کی تعریف میرے لکھے لفظوں سے ہی کرنا چاہتی ہو تو پھر "پاگل" کے بجائے "المواقب" کے جنگل کے کردار سے میرا موازنہ کیوں نہیں کرتی؟ ے' میری روح جنگل کے نوجوان اور اس کی بانسری کی دھن سے' پاگل اور اس کی چیخ و پکار کی نسبت کہیں زیادہ مشابہہ ہے۔ تم جلد ہی

محسوس کر لو گی کہ "پاگل" ایک طویل زنجیر کی' جسے مختلف النوع دھاتوں سے ملا کر بنایا گیا ہے' ایک کڑی ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ "پاگل" ایک لوہے کی طرح سخت کڑی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تمام زنجیر ہی اسی طور کھردرے داغدار لوہے سے بنی ہے۔ ہر روح کے اپنے موسم ہوتے ہیں۔ مے' روح کا موسم سرما اس کے موسم بہار سے اور اس کا موسم گرما اس کے موسم خزاں سے مختلف ہے۔

مجھے یہ جان کر کتنی خوشی ہوئی تھی کہ تمہارا تعلق "لیوی" کی نسل سے ہے۔ مجھے بے انتہا مسرت ہوئی تھی اور اس بے پایاں خوشی کی وجہ یہ ہے کہ میں میرو نائٹ کے عبادت گزار کی بیٹی کی اولاد میں سے ہوں۔ میرے نانا ایک پادری تھے' انہیں الہیاتی اسرار کا گہرا علم حاصل تھا' لیکن وہ گرجا گھر کی موسیقی' اور گرجا گھر کے علاوہ بھی دوسرے موسیقی کے بڑے شائق تھے۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان کے پادری ہونے کی حقیقت کو فراموش کر دیتا ہوں۔

میری والدہ ان کی انتہائی پسندیدہ اولاد تھیں اور وہ بھی بہت زیادہ ان کے جیسے کردار کی مالک تھیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اپنی عمر کے ابتدائی برسوں میں ہی میری ماں نے خود کو قائل کیا اور لبنان کے شمال میں سینٹ سیمون کے دارالراہبات میں داخل ہونے کے لیے خود کو تیار کر لیا۔ اپنے کردار اور میلانات کا نوے فیصد حصہ میں نے اپنی ماں سے وراثت میں پایا ہے۔ (اس کے باوجود میں ان کی زہاہت' نفاست اور سحر انگیزی سے اپنا موازنہ نہیں کر سکتا ہوں۔) اس کے باوجود کہ مجھے راہب پسند نہیں ہیں لیکن مجھے راہباؤں سے چاہت ہے اور میری دلی ہمدردیاں ان کے لیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے لیے میری اس محبت کا منبع وہ اسرار بھرے خواب ہوں جنہوں نے میری ماں کے تخیل کو اس کی جوانی میں گھیرے رکھا۔ مجھے یاد ہے جب میں بیس برس کا تھا جب ایک روز انہوں نے مجھ سے کہا:

"یہ میرے لیے اور باقی سب کے لیے بہتر ہوگا اگر میں دارالراہبات میں داخل ہو جاتی"۔

"اگر آپ دارالراہبات میں داخل ہو جاتیں تو میں کبھی اس دنیا میں جنم نہ لے پاتا"۔ میں نے کہا۔

"تمہارا تو پہلے سے حکم جاری ہو چکا تھا' میرے بچے"۔ انہوں نے جواب دیا۔

"ہاں! لیکن اس زمین پر آنے سے بہت پہلے ہی میں نے آپ کو اپنی ماں کی حیثیت سے منتخب کر لیا تھا"۔ میں بولا۔

"اگر تم اس دنیا میں نہ آتے تو تم جنت میں فرشتے کے روپ میں ہی رہتے"۔

"لیکن میں تو اب بھی فرشتہ ہوں"۔ میں نے جواباً کہا۔

وہ مسکرائیں اور بولیں' "تمہارے پر کہاں ہیں؟"

میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے کندھے پر رکھا اور کہا: "یہاں"۔

"وہ ٹوٹ کر علیحدہ ہو چکے ہیں"۔ وہ بولیں۔

اس گفتگو کے نو ماہ بعد میری والدہ نیلے افق کے عقب میں گم ہو گئیں۔ لیکن ان کے یہ الفاظ کہ "وہ ٹوٹ کر علیحدہ ہو چکے ہیں" مسلسل میرے اندر گونجتے رہے۔ ان ہی الفاظ سے میں نے اپنی یہ کہانی "شکستہ پر" اخذ کی۔

نہیں' سے' ماں کے زمینی آباؤ اجداد سے میرا کبھی تعلق نہیں رہا۔ وہ عالم ارواح میں ہمیشہ سے میری ماں تھیں اور ہنوز ہیں۔ میں ان کے قرب' ان کے لمس اور ان کی اعانت کو اس سے کہیں زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہوں جیسا میں تب محسوس کرتا تھا جب وہ زندہ تھیں۔ اور ایسے انداز سے محسوس کرتا ہوں جو یکتا ہے۔ تاہم یہ احساس عالم ارواح میں میری دوسری ماؤں اور بہنوں سے میرے تعلق کی اکائی کو مجروح نہیں کرتا۔ ان احساسات میں' جو میں الگ الگ اپنی ماں کے لیے اور دوسری ماؤں کے لیے محسوس کرتا ہوں' سوائے اس فرق کے کوئی فرق نہیں ہے جیسا فرق واضح یادوں اور دھندلی یادوں کے بیچ ہوتا ہے۔

صرف تم ہی کو میں نے اپنی والدہ کے بارے میں کچھ بتایا ہے اور اگر قسمت نے ہمیں آپس میں ملایا تو میں تمہیں ان کے بارے میں بہت کچھ مزید بتاؤں گا۔ مجھے

پورا یقین ہے کہ تمہیں بھی ان سے محبت ہو جائے گی۔ تم ان سے محبت کرنے لگو گی' کیونکہ وہ بھی تم سے محبت کرتی ہیں۔ دوسری دنیا کی بلندی پر محو پرواز روحیں اس دنیا کی خوبصورت روحوں سے محبت کرتی ہیں۔ مے' تم تو واقعی ایک خوبصورت روح ہو۔ سو اس بات پر حیرت محسوس نہ کرو کہ "وہ تم سے محبت کرتی ہیں"۔ "الفنون" میں میری جو ڈرائنگ شائع ہوئی ہے' میں نے اس میں ان کا شدید جذباتی ہیجان میں مبتلا چہرہ دکھایا ہے۔ جبکہ میری کتاب "بیس ڈرائنگز" کے پہلے صفحے پر بھی انہی کا خاکہ بنا ہوا ہے۔ میں نے اسے "لا انتہا کی عرف" کا نام دیا ہے۔ دراصل میں نے اس لمحے کا ان کا چہرہ بنایا ہے' جو اس دنیا میں ان کا آخری اور دوسری دنیا میں ان کا اولین تھا۔

جہاں تک میرے باپ کے خاندان کا تعلق ہے۔ میں تین یا چار پادریوں کی شیخی مار سکتا ہوں' جیسے تم زیدہ خاندان میں چند پادریوں اور عبادت گزاروں کا ذکر کرتی ہو۔ یہ بات بہرحال میں مانتا ہوں کہ تمہارا خاندان اس حوالے سے برتر ہے کہ اس میں پادریوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ میرے شجرۂ نسب میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہے۔ ہاں' ہمارے خاندان میں البتہ ایک پادری ہے' جو پادری تو ہے لیکن نصف ــــــ کیا تمہارے خاندان میں اس قسم کی کوئی ہستی ہیں۔ یہ خر مقف یا Gibranian Monsignor خدا سے دعا مانگتا ہے' اس سے التجا کرتا ہے کہ وہ مجھے پھر سے واپس مادر گرجا گھر کی آغوش میں لے جائے' سب کو آغوش میں سمیٹے ہوئے پیغمبروں کے گرجا گھر میں' جیسے وہ فضول خرچ بیٹے کو اس کے باپ کے پاس لے گیا تھا۔ جیسا تم جانتی ہو کہ مادر گرجا گھر کی آغوش ہمارے باپ ابراہام کی آغوش جیسی ہے۔ جو ایک طرف تو گناہ گاروں کو تسکین دیتی ہے اور دوسری طرف مرنے والوں کو گوشہ عاطفت فراہم کرتی ہے۔ یہ بے چارہ عیسائی ایک سے چھٹکارا پاتا ہے کہ فوراً ہی خود کو دوسری طرف گرفت میں مبتلا پاتا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے کبھی گناہ سرزد نہیں ہوا' نہ ہی مجھے کبھی مردوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے ابراہام سے لگاؤ محسوس ہوتا ہے اور خاص طور پر ابراہام کی آغوش سے ــــ تاہم اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ شمالی لبنان کی نصف آبادی پادریوں اور عبادت گزاروں پر مشتمل

ہے اور باقی نصف ان پادریوں کی نسل کی اولادیں ہیں۔ کیا تمہارے آبائی قصبے جس کا نام میرے خیال میں عزیر ہے' کی بھی ایسی ہی صورت حال ہے۔ جہاں تک میرے آبائی قصبے بشری کا تعلق ہے' اس میں پادریوں اور عبادت گزاروں کا شمار کرنا باقاعدہ ایک معرکہ ہے۔

میں تو اس بات سے واقعی ڈرتا ہوں' کیوں نہ ہم میری کتاب "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" پر بات کریں۔ یہ کتاب پہلی جنگ عظیم چھڑنے سے کچھ ہی پہلے چھپی تھی۔ "الفنون" اشاعت گھر میں اس کے چھپنے کے دن ہی میں نے تمہیں اس کی ایک جلد ارسال کی تھی۔ لیکن مجھے تمہاری طرف سے اس کے وصول ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اس بات سے مجھے دکھ ہو اور یہ دکھ ہنوز قائم ہے۔

جہاں تک "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" کے مندرجات کا تعلق ہے' یہ میری ابتدائی تحریروں پر مشتمل ہیں جو اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔ یہ میرے باغ کے ادھ پکے انگور ہیں۔ میں نے انہیں "وادی کے چشمے" سے بھی پہلے لکھا تھا۔ دراصل یہ تمام تحریریں قریب سولہ برس قبل "المہاجر" کے اخبار کے شماروں میں چھپی تھیں۔ نصیب عریدا نے ان کو یکجا کرنے کا فیصلہ کیا اور ان میں میرے دو مضامین کا اضافہ کر لیا جو بارہ برس پہلے میں نے پیرس میں لکھے تھے۔ خدا اس کی مغفرت کرے! بچپن اور بلوغت کی عمر کے بیچ میں نے نثر اور نظم کی بہت سی بیاضیں بھر دیں۔ لیکن میں نے انہیں چھپوانے کا جرم کبھی نہ کیا۔ نہ ہی میں ایسا کبھی کروں گا۔ میں تمہیں "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" کی ایک اور جلد بھیج رہا ہوں' اس امید پر کہ تم اس تحریر کی ہیئت پر غور کرنے کے بجائے اس کی روح کو جاننے کی کوشش کرو گی۔

میں چارلس گورین کی تحریروں کا شائق ہوں' لیکن ساتھ ہی یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ جس مکتبہ فکر سے اس کا تعلق ہے اور جس شجر کی وہ ایک شاخ ہے' وہ ارفع جنگلات کا حصہ نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف اور بیسویں صدی کے اوائل کی فرانسیسی شاعری میں طلوع صبح کا نہیں بلکہ شام کے جھٹپٹے کی کیفیت

ہے۔ مجھے یقین ہے کہ سنگ تراش روڈن' مصور کیریئر اور موسیقار ڈیبوسی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے نئی سرزمینوں کی تلاش کی اور بلاشبہ وہ عظیم فن کار ہیں۔ اب تک گورین اور اس کے ہم عصر اس راستے پر گامزن ہیں جو جنگ کے بعد کے دور کی نفسیاتی صورت نے ان کے لیے اختراع کیا ہے۔ زندگی کی خوبصورتی اور زندگی کے کرب' انبساط' انکشافات اور اسرار سے اپنی آگہی کے باوجود یہ لوگ ایک نئے دور کی صبح کے اجالے کی نہیں بلکہ شام کے جھٹپٹے کی عکاسی کرتے ہیں۔ مجھے یہ یقین بھی ہے کہ عرب دنیا کے موجودہ ادیب اور شاعر اسی خیال' اسی صورت اور اسی دور کے نمائندہ ہیں' گو ایک کم تر درجے پر کھڑے ہیں۔

عرب دنیا کی بات ہو رہی ہے تو میرے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوا ہے جو میں پوچھنا چاہوں گا' تم مصر کے ادیبوں اور شاعروں کو ایسی بات کیوں نہیں سکھاتی کہ وہ جدید عصر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کریں۔ تم یہ کام کر سکتی ہو' آخر تم ایسا کیوں نہیں کرتی؟ مے' تم اس نئی سحر کی بیٹیوں میں سے ایک ہو۔ آخر تم ان لوگوں کو کیوں نہیں جگاتی جو خواب غفلت میں مدہوش ہیں؟ ایک ہونہار دوشیزہ' ایک ہزار ہونہار مردوں کے برابر تھی' ہے اور رہے گی۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم ان گمشدہ اور منتشر انسانوں کو یکجا کر لوگی جو جمود کی گرفت میں جتلا ہیں' تم ان میں حیات نو کی رمق پیدا کر سکتی اور ان میں یہ تحریک اور ترغیب بھر سکتی ہو کہ وہ پہاڑ کی چوٹیوں کی جانب گامزن ہو جائیں۔ ایسا ضرور کرو اور یہ یاد رکھو کہ جو چراغ میں تیل ڈالتا ہے وہ اپنے گھر کو روشنی سے منور کر لیتا ہے' تو کیا عرب دنیا تمہارا اور میرا گھر نہیں ہے؟

تم نے اس امر پر اظہار افسوس کیا کہ تم فن کاروں کی ضیافت میں نہیں آ سکی۔ تمہارے اس تاسف نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ بلکہ سچ بات یہ ہے کہ میں ششدر ہوا ہوں۔ کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ ہم دونوں اس نمائش میں موجود تھے؟ کیا تم بھول گئی ہو کہ کیسے ہم اس وسیع ہال میں ایک تصویر سے دوسری تصویر تک گھومتے پھرے تھے؟ کیا تمہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ کیسے ہم اس ہال میں تلاش کرتے' تنقید

کرتے اور کیسے ہم ان استعاروں' مفاہیم اور مقاصد کی لکیروں اور رنگوں کے پس پشت موجود عنصر کو ڈھونڈتے پھرے تھے؟ کیا تم یہ سب کچھ بھول چکی ہو؟ ظاہر ہے کہ ہمارے اندر موجودہ موصل عنصر ہمارے علم میں آئے بغیر خود ہی حرکت کرتا رہتا ہے۔ یہ آسمان پر تیرتا ہوا دنیا کے دوسرے کنارے تک جا پہنچتا ہے جبکہ ہم اپنے مختصر کمرے میں بیٹھے شام کا اخبار پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے دور دراز زمینوں پر مقیم دوستوں سے جا کر مل آتا ہے' جبکہ ہم اپنے پاس موجود دوستوں سے بیٹھے محو کلام ہوتے ہیں۔ یہ ان دور دراز کے جنگلات اور میدانوں میں گھوم آتا ہے' جو انسانی آنکھ سے پوشیدہ ہیں۔ جبکہ اس لمحہ ہم اس عورت کو چائے پیش کر رہے ہوتے ہیں جو اپنی بیٹی کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہی ہے۔

ہمارے درون خانہ موجود موصل عنصر پراسرار ہے۔ مے' اس کے ان گنت وظائف ہم سے پوشیدہ ہیں۔ چاہے ہم ان کو شناخت کر پائیں یا نہ کر پائیں' یہ ہماری امید اور نصب العین' ہماری منزل اور اکملیت کی صورت میں موجود رہتے ہیں۔ یہ ہماری الہیاتی کیفیت میں ہماری ذات کے پرتو ہیں۔ اسی لیے مجھے یقین ہے کہ اگر تم اپنی یادداشت پر کچھ زور ڈالو تو تمہیں ضرور یاد آئے گا کہ ہم دونوں ہی اس نمائش میں موجود تھے۔۔۔ تم ایسی کوشش کیوں نہیں کرتی ہو؟

میرا خط خاصا طویل ہوگیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب انسان کسی شے میں حظ محسوس کرتا ہے تو پھر وہ اس حظ کو طول دینے کا آرزومند ہوتا ہے۔

میں نے جب تم سے یہ مکالمہ شروع کیا تو ابھی آدھی رات نہیں گزری تھی' جبکہ اس وقت میں نصف رات اور طلوع صبح کے درمیانی وقفے میں کھڑا ہوں۔ لیکن میں ہنوز ان باتوں میں سے ایک لفظ بھی نہیں کہہ پایا جو میں نے خط کے شروع میں تم سے کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ہمارے درون خانہ میں موجود حقیقت' وہ مطلق جوہر' وہ خواب جو بیداری کے لبادے میں ملبوس ہوتا ہے' وہ اپنا اظہار صرف خاموشی میں ہی کر پاتا ہے۔

مجھے تم سے ہزاروں سوال پوچھنے کی خواہش ہے۔ لیکن باہر مرغ بانگیں دینے

لگے ہیں اور میں ابھی تک تم سے ایک سوال بھی نہیں پوچھ پایا۔ مثلاً میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا لفظ "جناب" دوستی کی لغت میں کہیں موجود ہے۔ میں نے اس لغت کی، میرے پاس موجود جلد میں اس لفظ کو تلاش کیا ہے، لیکن یہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ اس بات نے مجھے پریشان کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ میرے پاس موجود جلد ایک معیاری کتاب ہے لیکن شاید میں غلطی پر تھا۔

یہ تو بہت سطحی سا سوال ہے۔ میں دوسرے اہم سوالات کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔ کسی دوسری رات کے لیے--- کیونکہ میری شام تو اب بوڑھی ہوچکی ہے اور ان بوڑھی راتوں کے سائے میں بیٹھ کر تمہیں کچھ لکھنے کی مجھے خواہش نہیں ہے۔

مجھے امید ہے کہ نیا سال تمہاری ہتھیلی کو ستاروں سے بھر دے گا۔

ے، خدا تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں اپنی پناہ میں رکھے۔

تمہارا مخلص دوست

خلیل جبران خلیل

عبارت مزید: اس خط کو ختم کرنے سے پہلے میں نے کھڑکی کھول کر باہر جھانکا، شہر سفیدی میں ڈوبا ہوا تھا اور برف بڑی شدت سے مسلسل نیچے گر رہی تھی۔ یہ انتہائی متاثر کن منظر ہے۔ ایک رفیع الشان پاک اور بے داغ منظر، جو میری سوچوں کو بہا کر واپس شمالی لبنان میں لے گیا ہے۔ میرے بچپن کے دنوں میں جب میں برف سے مختلف شکلیں اور مورتیں بنایا کرتا تھا اور جو سورج کے نکلتے ہی فوراً پگھل جاتی تھیں۔

میں اس ژالہ باری سے محبت کرتا ہوں جیسے مجھے طوفانوں سے پیار ہے۔ میں باہر جاؤں گا۔ میں ابھی اس سفید طوفان میں چہل قدمی کروں گا۔ لیکن میں تب بھی اکیلا نہیں ہوں گا۔

(جبران)

نیویارک

۳ر نومبر ۱۹۲۰ء

میری دوست مے!

میری حالیہ خاموشی ایک ایسے انسان کی خاموشی کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتی جو پریشان اور منتشر الذہن ہے۔ میں اپنی پریشانی اور منتشر الدماغی کی حالت میں اکثر اس وادی میں بیٹھ جاتا ہوں اور پھر تم سے گفتگو کرنے اور تمہیں سرزنش کرنے کی خواہش کرتا ہوں' لیکن مجھے کہنے کو کبھی کچھ نہیں ملتا۔ میرے پاس کہنے کو کچھ موجود نہیں ہے۔ مے' کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ تم نے کہنے کی کوئی بات چھوڑی ہی نہیں اور کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ تم ان ان دیکھے دھاگوں کو قطع کر دینا چاہتی ہو جنہیں ایک غیر مرئی ہاتھ نے بنا ہے اور جو خیال کو خیال سے اور روح کو روح سے باندھتا ہے۔

ایک مرتبہ میں اس کمرے میں بیٹھ گیا اور پھر ایک بھی لفظ بولے بغیر میں دیر تک تمہارے چہرے کو تکتا رہا۔ دوسری طرف تم نے میری طرف دیکھا' اپنا سر ہلایا اور ایسے شخص کی ہنسی تمہارے چہرے پر ہویدا ہوئی جو ایسے لوگوں کی پریشانی اور الجھن میں' جو اپنوں ہی کی محبت میں بیٹھے ہوں' کمی کرتی اور انہیں مسرت کی دعوت دیتی ہے۔

میں اب تم سے کیا کہوں کہ تمہارا محبوب خط میرے سامنے دھرا ہے؟ اس ارفع خط نے میری پریشانی کو حیرانی میں بدل دیا ہے۔ میں اپنی خاموشی کے بارے میں پریشان ہوں' اور اس بارے میں کہ میرا دل مجروح ہے' میں اپنے اندر اس افتخار پر

حیران ہوں جس کے تحت میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی جما کر رکھ لی ہے اور یکسر خاموش ہوں۔ کل ہی کی بات ہے، میں تمہیں مجرم قرار دے رہا تھا، لیکن آج تمہاری مہربان طبیعت اور کریم النفسی کو دیکھتے ہوئے، جو دو فرشتوں کی مانند باہم بغل گیر ہیں، میں خود کو مجرم تصور کر رہا ہوں۔

لیکن میری رفیق، میری بات سنو! میں تمہیں اپنی خاموشی اور اپنے مجروح احساسات کی وجوہات بیان کروں گا۔ میں دو زندگیاں گزارتا ہوں: ایک زندگی میں کام کرنے، تلاش کرنے، لوگوں سے ملنے اور ان سے معاملہ کرنے اور ان خفیہ اسرار پر غور کرنے میں گزارتا ہوں جو انسانی قلوب کی گہرائیوں میں رہتے ہیں۔ دوسری زندگی میں ایسی دور دراز جگہ میں گزارتا ہوں جو خاموش، انتہائی متاثر کن، سحرزدہ اور زمان و مکان کی بندش سے ماورا ہیں۔ پارسال جب کبھی میں اس دور دراز مقام پر پہنچتا تو اپنے اندر ایک دوسری روح کو موجود پاتا، جس سے میں معمولی ترین خیالات کا تبادلہ کرتا اور عمیق ترین جذبات میں شریک ہوتا۔ ابتداء میں، میں نے اسے مبادیات سے منسوب کیا، جو خالص اور پاک ہیں لیکن دو مہینے بھی نہ گزرے ہوں گے کہ مجھے ایک راز کی موجودگی کا احساس ہونے لگا، جو ان مبادیات سے بھی دور تھا اور عمومی اشیاء کی ترکیب سے کہیں زیادہ پختہ تھا۔ ایسی ہی عجیب حقیقت یہ تھی کہ جب ایسے دوروں سے میں اس مقام پر واپس آتا تو مجھے محسوس ہوتا کہ دھندلے سے لمس جیسا ایک ہاتھ میرے چہرے پر پھرا ہے اور کبھی مجھے ایک شفیق اور عمدہ آواز سنائی دیتی، جیسے کوئی نومولود بچہ سانس لے رہا ہے۔ یہ آواز میرے کانوں میں گونجتی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میں صاحب کشف ہوں، لیکن میں نہیں جانتا کہ اس لفظ سے ان کا کیا مطلب ہے؟ تاہم میں یہ جانتا ہوں کہ میں اتنا خیال پرست نہیں ہوں کہ مکمل طور پر اپنی ذات پر انحصار کر بیٹھوں۔ اگر میں ایسا کرنا بھی چاہوں تو میری ذات میرا اعتبار نہیں کرے گی۔ یہ ذات ایسی ذات پر قطعاً اعتبار نہیں کرتی، جو خود اپنے آپ پر اعتماد نہ کرے اور سوائے اس بات کے کسی شے پر اعتماد نہیں کرے گی، جس کا وہ خود تجربہ نہ کرے۔ اور جب کسی شے کا تجربہ کر لیتی ہے تو وہ شے ذات

کے درخت کی ایک شاخ بن جاتی ہے۔ پارسال مجھے بھی ایک تجربہ ہوا۔ یہ تجربہ ہی تھا اور کوئی خواب نہیں تھا۔ میں اس تجربہ سے متعدد مرتبہ گزرا۔ اس کے بارے میں مجھے ذہنی اور حسی طور پر ابتدائی علم حاصل ہے۔ میں نے اس کا تجربہ کیا اور پھر اسے اپنے اندر ایک راز کی حیثیت سے صرف اپنے تک محدود کرنے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ اس کا تعلق صرف مجھ سے ہے۔ لیکن میں اسے چھپا نہیں سکا۔ جبھی مجھے اس میں کسی کو شریک کرنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ کیا تم جانتی ہو کہ میرے دوست نے مجھ سے کیا کہا؟ فوراً ہی وہ بولی "یہ محض ایک غنائی نظم ہے"۔ اگر ایک ماں کو' جس نے اپنے بچے کو گود میں لیا ہو' یہ کہا جائے کہ اس کے کندھے پر ایک "چوبی گڑیا" ہے اور یہ کہ اس نے اسے محض نمود و نمائش کے لیے اٹھا رکھا ہے تو اس ماں کا کیا جواب ہوگا؟ اور وہ کیا محسوس کرے گی؟

مہینے گزر گئے ہیں اور یہ الفاظ "غنائی نظم" ان مٹ روشنائی سے میرے دل پر نقش ہو چکے ہیں۔ لیکن میری دوست مطمئن نہیں تھی اور اپنی بے اطمینانی کے ساتھ وہ لیٹ گئی اور میرا انتظار کرنے لگی۔ میں تب تک اسے کوئی لفظ نہیں کہہ سکتا تھا' جب تک کہ وہ خود مجھے کوئی غصیلی سرزنش نہ کرے۔ میں اس کے کسی ایسے حصہ کو نہیں دیکھ سکتا تھا جو نقاب کے عقب میں گم نہیں تھا۔ ہر مرتبہ جب میں اپنا ہاتھ آگے پھیلاتا' وہ اس میں کیل گاڑ دیتی۔

اس کے بعد میں مایوس ہوگیا۔ ذات کے تمام عناصر میں مایوسی سے زیادہ کوئی عنصر تلخ نہیں ہے۔ زندگی میں اس سے زیادہ دشوار کوئی بات نہیں ہے کہ اپنی ذات سے کہا جائے "تم شکست کھا چکی ہو"۔

مے' مایوسی کسی بھی دل کے جوار بھاٹا میں زیریں ترین جزر ہے۔ مے' مایوسی ایک بے صدا احساس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان طویل مہینوں میں' میں تمہارے سامنے بیٹھ جایا کرتا ہوں اور کچھ بھی کہے بغیر طویل عرصہ تک تمہارے چہرے کو تکتا رہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تب نہیں لکھتا جب میری لکھنے کی باری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں خود سے سرگوشی میں کہا کرتا ہوں "میرے پاس کرنے کو کوئی کردار نہیں

بچا"۔ لیکن ہر موسم سرما کے دل میں ایک موسم بہار پھڑکتا ہے اور ہر رات کے پردے کے عقب میں ایک مسکراتی صبح چھپی ہے۔ اسی طرح میری مایوسی امید کی صورت میں ڈھل گئی ہے۔

وہ کیسا مقدس لمحہ تھا جب میں نے اپنی ڈرائنگ "لاانتہا کی طرف" تخلیق کی تھی۔ ایک عورت کے ہونٹوں کا دوسری عورت کی' جو سوچ رہی ہو' گردن پر لمس کیسا متاثر کن اور خوبصورت ہے! وہ روشنی کیسی رفیع الشان ہے جو ہماری داخلی ذات سے پھوٹتی ہے۔ مے' یہ درخشاں روشنی کیسی عظیم ترین ہے!

میں اس مرد کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جو دو عورتوں کے بیچ پھنسا ہوا ہو؟ ایک اس کی بیداری کے لمحوں کو اس کے خوابوں میں سے بن رہی ہے' جبکہ دوسری اس کے خوابوں کو اس کی بیداری کے لمحوں سے شکل دے رہی ہے۔ میں اس دل کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں جسے خدا نے دو لالٹینوں کے بیچ رکھ دیا ہو؟ میں ایسے انسان کے بارے میں آخر کیا کہہ سکتا ہوں؟ کیا میں یہ کہوں کہ وہ اداس ہے؟ میں نہیں جانتا لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ خودغرضی اس کی اداسی کا حصہ نہیں ہے۔ کیا میں یہ کہوں کہ وہ اس دنیا میں ایک اجنبی ہے؟ میں نہیں جانتا۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کیا تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے لیے ایک اجنبی رہے؟ کیا وہ اجنبی ہے' اکیلا ہے اور کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اس کی زبان کو سمجھ سکے۔ اس کی روح کی زبان کو؟ میں نہیں جانتا لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کیا تم اس سے اس زبان میں بات کرنے سے انکار کر دو گی' وہ زبان جس کے بارے میں تم سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

کیا تم خود بھی اس دنیا میں اجنبی نہیں ہو؟ کیا تم اپنے تمام تر مقاصد' خواہشات' اعمال اور میلانات کے ساتھ اپنے ماحول میں اجنبی نہیں ہو؟ مجھے بتاؤ' مے' مجھے بتاؤ' کیا اس دنیا میں ایسے کچھ لوگ موجود ہیں جو تمہاری روح کی زبان کو سمجھ سکیں؟ کتنی بار تم کسی ایسے شخص سے مل پائی ہو جو تمہاری خاموشی میں تمہیں سن سکے یا جو تمہاری خاموشی میں تمہیں سمجھ سکے یا جو ایسا ہو کہ گھروں کی قطار میں

سے ایک گھر میں تم اس کے سامنے بیٹھی ہو اور وہ زندگی کے مقدس تر لمحوں میں تمہارا ساتھ دے؟

تم اور میں ان معدودے چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں خدا نے دوستوں' محبت کرنے والوں' خیرخواہوں اور معترفین کے ایک گروہ سے نوازا ہے۔ لیکن مجھے بتاؤ' کیا ان مخلص اور پرجوش دوستوں کے بیچ کوئی ایک بھی ایسا ہے جس سے ہم میں سے کوئی یہ کہہ سکے "میری صلیب کو ایک دن کے لیے برداشت کر لو؟" کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جو یہ جانتا ہو کہ ہمارے گیتوں کے عقب میں ایک گیت ایسا بھی ہے جسے آواز کے وسیلے سے نہیں سنا جا سکتا اور نہ ایسے سر ہیں جن میں اسے گایا جا سکے؟ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے کہ جو کبھی ہمارے دکھ کی مسرت اور مسرت کے دکھ کو جان سکے گا؟

تم مجھ سے کہتی ہو "تم ایک فنکار اور ایک شاعر ہو' اور تم ایک فنکار اور شاعر کی حیثیت سے ہی خوش رہو گے"۔ لیکن مے' میں نہ فنکار ہوں اور نہ ہی شاعر۔ میں نے اپنے دن اور راتیں لکھنے اور ڈرائنگ کرنے میں بتا دی ہیں' لیکن "میں" (جو میری ذات ہے) نہ تو میرے دنوں اور نہ ہی میری راتوں میں کہیں موجود ہے۔ میں دھند ہوں' مے! میں دھند ہوں' جو چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے لیکن کبھی انہیں یکجا نہیں کرتی۔ میں دھند ہوں جو بارش کا پانی نہیں بن سکی۔ میں دھند ہوں اور دھند میری تنہائی ہے' اسی میں میری بھوک اور میری پیاس پوشیدہ ہے۔ لیکن میری بدقسمتی یہ ہے کہ یہ دھند میری حقیقت ہے اور یہ آسمان میں ایک دوسری دھند سے ملاپ کرنا چاہتی ہے' اور یہ الفاظ سننا چاہتی ہے "تم تنہا نہیں ہو' ہم دو ہیں۔ میں جانتی ہوں تم کون ہو"۔

مجھے بتاؤ' میری دوست' مجھے بتاؤ کیا اس دنیا میں کوئی ایسا ہے جو مجھ سے یہ کہنے کے اہل ہو یا خواہش مند ہو۔ "میں وہ دوسری دھند ہوں' او' دھند' آؤ ہم ان پہاڑوں اور وادیوں کو ڈھانپ لیں' آؤ ان درختوں کے بیچ اور ان کے اوپر گھومیں' آؤ ان اونچی چٹانوں کو چھپا دیں' آؤ ہم دونوں تمام مخلوق کے قلب اور مساموں میں

سرایت کر جائیں اور آؤ ان دور دراز کے مقامات میں پھریں جو ناقابل تسخیر ہیں اور ہنوز دریافت نہیں کی جا سکیں"۔ ے' مجھے بتاؤ' کیا تمہارے حلقے میں کوئی ایک بھی ایسا شخص ہے کہ جو ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی مجھ سے کہنے کے اہل ہو یا خواہش مند ہو؟

اس تمام گفتگو کے بعد تم مجھ سے توقع کر سکتی ہو کہ میں مسکراؤں اور معاف کر دوں۔

اس صبح میں بہت زیادہ مسکرایا ہوں۔ میں اب بھی دور اپنے اندر مسکرا رہا ہوں۔ میں اپنی تمام تر ہستی کے ساتھ مسکرا رہا ہوں اور میں یونہی دیر تک مسکراتا رہوں گا۔ میں مسکرا رہا ہوں جیسے میں بس اسی لیے پیدا ہوا ہوں کہ میں مسکراتا رہوں۔ لیکن "عفو و درگزر" ایک مہیب لفظ ہے' جو پامال اور زخمی کرتا ہے۔ یہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اپنا سر حیرانی اور احترام میں اس نفیس روح کے آگے جھکا دوں جو اتنی کریم النفس ہے کہ معذرت کی خواست گار ہو رہی ہے۔ میں واحد مجرم ہوں۔ میں نے خاموش رہ کر اپنی کمزوری ظاہر کی ہے اور مایوس ہو کر بھی--- اس لیے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ سب غلطیاں معاف کر دو جو میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں۔

یہ مناسب ہوگا کہ اس تمام بحث کے دیباچے کے طور پر میں ایک کتاب "صحرا نورد" کا نام لوں۔ ذاتی معاملات ہماری سوچوں پر قابض ہوتے ہیں اور نجی امور اتنے طاقتور ہوتے ہیں کہ انتہائی اہم اور ارفع مسائل سے ہماری توجہ کو منحرف رکھتے ہیں۔ "صحرا نورد" جیسی کوئی عربی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ مجھے اس سے پہلے زندگی میں کبھی تجربہ نہیں ہوا کہ میں دو خاکے دیکھوں جنہیں ایسی لکیروں سے کھینچا گیا اور ایسے رنگوں سے مصور کیا گیا ہو اور نہ ہی مجھے پہلے کبھی زندگی میں ایک ہی خاکہ میں دو خاکے دیکھنے کا تجربہ ہوا ہے۔

ایک خاتون مصنفہ اور مصلح کا خاکہ اور ایک ایسی عورت کا خاکہ جو ایک مصنفہ ہے اور مصلح سے بھی کہیں زیادہ عظیم ہے' میں نے زندگی میں پہلے کبھی ایک

ہی آئینے میں دو چہروں کو بیک وقت اس خوب انداز سے منعکس ہوتے نہیں دیکھا۔ ایک عورت کا چہرہ جو نصف تو دنیا کے سائے سے ڈھکا ہوا ہے اور ایک دوسری عورت کا چہرہ جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا رہا ہے۔ میں نے یہ جملہ کہ "اس عورت کا نصف چہرہ دنیا کے سائے سے ڈھکا ہوا ہے" اس لیے کہا ہے کیونکہ اب سے مدت پہلے میں نے ایسا محسوس کیا اور اب بھی محسوس کرتا ہوں کہ "صحرا نورد" (ایک مصری خاتون ادیبہ کا قلمی نام) اپنی موت کے لمحے تک اپنے اردگرد کے ماحول کو رد کرنے اور تمام قومی اور سماجی دباؤ سے چھٹکارا پانے کے قابل نہ ہو سکی۔ لیکن دوسرا چہرہ' لبنانی چہرہ' جو سورج کی شعاعوں سے دمک رہا تھا' میرے خیال میں اس اولین مشرقی عورت کا چہرہ ہے' جو اس غیر مرئی معبد تک پہنچ گیا جہاں تمام روحیں اپنے جسموں کا چولہ جھٹک دیتی ہیں جو روایت اور رسوم کی خاک سے اور جمود کے جبر تلے تخلیق ہوتے ہیں۔ یہ اس اولین مشرقی عورت کا چہرہ ہے جس نے ہستی کے اتحاد کو محسوس کیا اور اس سب کچھ کو جو دکھائی دیتا ہے یا دکھائی نہیں دیتا' جو معلوم ہے یا غیر معلوم۔ اور آخرکار جب وقت ادیبوں کی تحریروں اور شاعروں کے گیتوں کو قصر نسیان میں غرق کر دے گا' تب بھی "صحرا نورد" ایک ایسی کتاب کی حیثیت سے باقی رہے گی جو معتبر محققین اور مفکرین اور "بیدار" لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب کھینچتی رہے گی۔ مے' تم ویرانے میں گونجتی ہوئی آواز ہو۔ تم ایک الہامی آواز ہو' اور الہامی آوازیں خلاؤں کی وسعتوں میں وقت کے اختتام تک گونجتی رہیں گی۔

اب میں ہر اس پیارے سوال کا جواب دوں گا جو تم نے مجھ سے پوچھا ہے۔ مجھے کوئی بات تشنہ نہیں چھوڑنی چاہیے۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ "میری طبیعت کیسی ہے؟" میں نے اس معاملے پر زیادہ غور نہیں کیا کہ "میں کیسا ہوں"۔ تاہم میرا خیال ہے کہ روزمرہ کی توجہ کو منعطف کرنے والے چکروں اور مختلف شکلوں اور حجم کی چرخیوں کے باوجود' جو زندگی کو گھیرے رکھتی ہیں' میں بہتر ہوں۔

"میں کیا لکھ رہا ہوں؟" میں رات اور دن کے دوران میں ایک یا دو سطریں لکھ لیتا ہوں۔ میں نے "دن اور رات کے بیچ" کا جملہ اس لیے لکھا کیونکہ میں دن کا

تمام وقت آئل کلرز سے بڑی تصویریں بنانے میں صرف کرتا ہوں' جن کو مجھے موسم سرما کے اختتام تک مکمل کرنا ہے۔ انہی تصویروں اور میرے معاہدے ہی کی وجہ سے میں پابند ہوں ورنہ میں اپنا موسم سرما پیرس اور مشرق میں گزارتا۔

"کیا میں زیادہ کام کرتا ہوں؟" میں تمام وقت کام کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ تب بھی کام کرتا ہوں جب میں سویا ہوتا ہوں۔ اپنے کام کے ضمن میں' میں ایک چٹان کی طرح مصمم ارادے کا بندہ ہوں' لیکن میرا اصل کام نہ تو میری مصوری ہے' اور نہ میری تحریر۔ ہے! میرے اندر گہرائی میں ایک ہمہ جہت ذہن موجود ہے' جس کو نہ لفظوں سے سروکار ہے' نہ لکیروں اور رنگوں سے۔ وہ کام' جس کے لیے میں پیدا ہوا ہوں' اس کا نہ قلم سے تعلق ہے اور نہ ہی موقلم سے۔

"میں نے آج کس رنگ کا لباس پہنا ہوا ہے؟" میں ایک ہی وقت میں دو لباس پہننے کا عادی ہوں۔ ایک کپڑے کا جو بنا گیا اور سیا گیا ہوتا ہے اور دوسرا گوشت' ہڈی اور خون سے مل کر بنا ہوتا ہے' لیکن اس وقت میں نے ایک چوغہ پہن رکھا ہے' جو ڈھیلا ڈھالا ہے' لمبا ہے اور روشنائی اور رنگوں کے دھبوں سے اٹا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو بغلی کمرے میں گوشت' خون اور ہڈی کے چولے سے آزاد کر چکا ہوں اور یہ ایسا لباس ہے جس کے بارے میں سوچنا' خاص طور پر اس وقت جب میں تم سے ہمکلام ہوں' مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔

"صبح سے اب تک میں کتنے سگریٹ پھونک چکا ہوں؟" یہ سوال کتنا پیارا ہے۔ لیکن اس کا جواب دینا کتنا دشوار ہے۔ مے' آج کا دن تو میں شروع سے لے کر اب تک بس سگریٹ ہی پھونکتا رہا ہوں۔ صبح سے اب تک میں نے بیس سے زیادہ سگریٹ ختم کیے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے' سگریٹ نوشی میرے لیے ناقابل مدافعت ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک مسرت ہے۔ کیونکہ میں ایک سگریٹ پیے بغیر بھی پورا دن گزار سکتا ہوں۔ ہاں' بے شک آج میں نے بیس سے زائد سگریٹ پھونکے ہیں۔ لیکن اس کا الزام تمہارے سر جاتا ہے۔ اگر اس وادی میں میرا تعلق بس مجھ ہی سے ہوتا تو شاید میں کبھی سگریٹ نہ پیتا' لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہاں بس میں اکیلا

ہی رہوں۔

جہاں تک میرے گھر کا تعلق ہے' یہ ہنوز بے دیوار اور بغیر چھت کے ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہم میں سے کون ایک قیدی بن کر رہنا چاہے گا۔ جہاں تک صحرا کے سمندروں اور خلا کے بحر کا تعلق ہے' وہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے وہ ابتداء الایام میں تھے۔ ویسے ہی گہرے اور بے کنار' اور موجوں سے بھرے ہوئے۔ جس کشتی میں بیٹھ کر میں نے ان سمندروں کا سفر کیا' وہ بڑی آہستہ روی سے بہتی ہے۔ کیا کوئی ایسا ہے جو میری کشتی کو ایک زائد چپو دینے کے اہل ہو یا خواہش مند ہو؟ مجھے حیرت ہے کون اس اہل یا اس کا خواہاں ہو سکتا ہے؟

جہاں تک اس کتاب "لا انتہا کی جانب" کا تعلق ہے' یہ اپنی ہیئت میں ہنوز دھندلی ہے۔ اس میں موجود بہترین ڈرائنگز ہنوز خلا میں بنائے گئے خاکے ہیں اور چاند کے چہرے پر کھنچی شبیہیں ہیں۔ دوسری طرف "المستاہد" تین ہفتے قبل "پیش رو" کے نام سے شائع ہوئی ہے' جس کی ایک جلد میں نے تمہیں بھیجی ہے۔ اسی لفافے میں' میں نے تمہیں "باد و باراں" کی بھی ایک جلد بھیجی تھی' جو میرے باغ کے ادھ پکے انگور ہیں۔ میں نے "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" کی تیسری جلد بھی بھیجی تھی۔ میں نے اپنے ناشر کی موسم گرما کی فہرست نہیں بھیجی کیونکہ موسم گرما میں' میں دور قصبے میں تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایک وجہ ہے۔ جہاں تک میری ڈرائنگز' ظروف' کانچ کے برتنوں' پرانی کتابوں' موسیقی کے سازوں اور مصری' یونانی اور گوتھک بتوں کا تعلق ہے' یہ سب ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ یہ اس ابدی اور لافانی روح کے مظہرات ہیں' یہ الفاظ ہیں جنہیں خدا کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ میں اکثر ان چیزوں کے سامنے بیٹھ جاتا ہوں اور اس خواہش کے بارے میں غور کرتا ہوں جو انہوں نے میرے اندر پیدا کر دی ہے۔ اکثر میں مسلسل انہیں تکتا رہتا ہوں' حتیٰ کہ یہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان کی جگہ قدیم بھوت آ جاتے ہیں' جو غیر مرئی دنیا سے یہاں مادی دنیا میں وارد ہو کر آتے ہیں۔ میں ہنوز چالڈین کا سیاہ پتھر کا بت حاصل نہیں کر پایا۔ گزشتہ موسم بہار میں میرے ایک انگریز دوست نے' جو عراق

میں ایک برطانوی مہم کے سلسلے میں قیام پذیر ہے' مجھے لکھا تھا "اگر مجھے اس حوالے سے کچھ بھی مل سکا تو وہ تمہارا ہوگا"۔

میں نے تمہارے تمام سوالوں کے جواب دیئے ہیں اور کوئی ایک بھی جواب طلب نہیں رہنے دیا۔ میں خط کے اس درجے تک آ پہنچا ہوں لیکن ہنوز ان باتوں میں سے ایک بھی نہیں کہہ پایا جنہیں خط شروع کرتے وقت میں نے لکھنے کا سوچا تھا۔ میرے اندر موجود دھند بارش کے قطروں میں نہیں ڈھلی اور وہ خاموشی' وہ بلند پرواز اور کپکپاتی خاموشی' لفظوں میں نہیں ڈھل سکی۔ کیا تم اس دھند کو اپنے ہاتھوں میں نہ لو گی؟ کیا تم اپنی آنکھیں موند کر اس خاموشی کی آواز کو سننے کی کوشش نہیں کرو گی؟ کیا تم دوبارہ اس وادی میں سے نہیں گزرو گی' جہاں تنہائی ایک پرندے کی مانند منڈلاتی ہے' بھیڑ کی طرف چلتی ہے' ندی کی طرح بہتی ہے اور شاہ بلوط کے درخت کی مانند سیدھی کھڑی ہے؟ ہے' کیا تم ایک مرتبہ پھر اس راستے سے نہیں گزرو گی؟ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔

جبران

بوسٹن

۱۱ر جنوری ۱۹۲۱ء

مے'

ہم ایک پہاڑی چوٹی پر پہنچ چکے ہیں۔ ہمارے نیچے میدان' جنگل اور وادیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ سو کچھ دیر کے لیے بیٹھ جائیں اور آپس میں باتیں کریں۔ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتے کیونکہ فاصلے پر مجھے ایک اونچی چوٹی دکھائی دے رہی ہے' جس تک ہمیں ہر حال میں غروب آفتاب سے پہلے پہنچنا ہے۔ لیکن ہم تب تک اس جگہ سے نہیں جائیں گے جب تک تم مسرور ہو' اور نہ ہی ایک قدم آگے بڑھائیں گے' جب تک کہ تمہیں ذہنی سکون حاصل ہے۔

ہم نے ایک مہیب رکاوٹ کو عبور کر لیا ہے' لیکن ایسا کسی الجھاؤ کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مستقل مزاج اور ہٹ دھرم تھا۔ لیکن میری مستقل مزاجی ایسے شے کا متوقع نتیجہ تھی' جو اس نام نہاد ارادے سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ خاص معاملات میں' میں نے غیر دانش مندانہ انداز میں قدم اٹھایا تھا۔ لیکن کیا زندگی کے کچھ مظہر ایسے نہیں ہیں جو حکمت کے دائرے سے ماورا واقع ہیں۔ کیا ہم میں ایسی ایک طاقت موجود نہیں ہے جس کے سامنے حکمت ایک پتھر میں بدل جاتی ہے۔ کیا میرے حالیہ تجربات میرے ماضی کے تجربات جیسے نہیں ہیں جن کو میں نے بیان نہیں کیا۔ لیکن وہ سب نئے اور عجیب ہیں اور بالکل اچانک وارد ہوئے ہیں۔ اگر میں قاہرہ میں ہوتا تو پھر یہ ساری باتیں تم سے بالمشافہ مل کر کہتا۔ ایسے اپنائیت کے انداز میں' جس میں خودغرضانہ مقاصد کا کوئی

شائبہ نہ ہوتا اور ہمارے بیچ کوئی غلط فہمی جنم نہ لیتی۔ لیکن افسوس اس وقت میں قاہرہ میں نہیں ہوں اور تمہارے ساتھ رابطے کا' خط کے سوا' اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ جبکہ ایسے موضوعات پر' جو یہاں زیربحث ہیں' خط لکھنا ایک طور سے سادہ ترین معاملات کو پیچیدہ بنانا اور انتہائی ابتدائی نوعیت کے مسائل پر تکلف کا بھاری پردہ ڈالنا ہے۔ کیونکہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ جب ہم ایک سادہ سے خیال کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے ذہن میں کچھ ایسے الفاظ آتے ہیں جن سے ہمارا قلم مانوس ہوتا ہے' سو عموماً نتیجہ ایک نثری نظم یا ایک سنجیدہ مضمون کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسی زبان میں محسوس کرتے اور سوچتے ہیں جو اس زبان سے' جس میں ہم لکھتے ہیں' کہیں زیادہ مخلص اور ایماندار ہوتی ہے۔ بے شک ہمیں نظمیں پسند ہیں' چاہے وہ پابند ہوں یا نثری۔ اور ہم مضامین بھی پسند کرتے ہیں چاہے وہ سنجیدہ ہوں یا غیر سنجیدہ۔ لیکن آزاد' لافانی جذبہ ایک الگ بات ہے اور خطوط نویسی ایک قطعی مختلف۔ اپنے سکول کے زمانے سے ہی میں نے ہمیشہ ممکنہ حد تک یہ کوشش کی ہے کہ میں دقیانوسی باتوں سے احتراز کروں۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا اور ہنوز محسوس کرتا ہوں کہ ایسی باتیں خیالات اور محسوسات کو بیان کرنے سے کہیں زیادہ انہیں دھندلا دیتی ہیں۔ لیکن مجھے اب سمجھ میں آیا ہے کہ میں اس شے سے' جس سے مجھے نفرت ہے' کبھی فرار حاصل نہیں کر سکا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ ڈیڑھ برس میں بھی' میں دراصل وہیں کھڑا تھا جہاں میں کبھی اٹھارہ برس کی عمر میں تھا۔ اس کا ثبوت وہ غلط فہمی ہے جو شاید میرے خطوط سے پیدا ہوئی ہے۔

میں اس بات کو دہراؤں گا کہ اگر میں قاہرہ میں ہوتا تو پھر ہم دونوں اپنے ذاتی تجربات کے مفہوم پر یونہی مل بیٹھ کر غور کرتے جیسے ہم اب سمندر یا ستاروں یا ایک خوب پھل دار سیب کے درخت کے بارے میں بات کر سکتے ہیں' کیونکہ ہمارے تجربات چاہے کس قدر عجیب اور انوکھے ہوں' وہ سمندر' ستاروں اور سیب کے درختوں سے زیادہ حکمت والے' عجیب اور انوکھے نہیں ہوسکتے ہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہم زمین کے اور خدا کے معجزات کو تو تسلیم کر لیتے ہیں لیکن اسی لمحہ ہم ان

معجزات کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں جو ہماری روحوں میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

مے! میں سوچا کرتا تھا اور اب بھی سوچتا ہوں کہ ہمارے کچھ تجربات ایسے ہیں جو تب تک وجود میں نہیں آ سکتے جب تک دو افراد ان میں متحد ہو کر ایک ساتھ شریک نہ ہوں۔ سوچنے کا یہی انداز دراصل وہ وجہ ہے' جس کی بنا پر میرے چند خطوط سے تمہیں یہ سوچنے کی ترغیب ہوئی کہ ہمیں یہ معاملہ یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ معاملہ تب ختم نہیں ہوا کیونکہ مے' زندگی کسی ایک مقام پر رکتی نہیں ہے اور یہ عظیم جلوس اپنی تمام تر رعنائی کے ساتھ ایک ابدیت سے دوسری ابدیت کی طرف محو سفر رہتا ہے اور میں اور تم' ہم دونوں' جو زندگی کو مقدس بناتے ہیں اور سچ کی طرف مائل ہیں' ہم جو زندگی میں اپنی تمام تر ہستی کے ساتھ فیض یاب' کریم النفس اور نیک لوگ ہیں' جن کو زندگی میں مستقل اور حتمی سچائیوں کی پیاس اور بھوک ہے' ہمیں کوئی ایسی بات کہنے یا کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے جو خوف کی نمو کرتی یا روح کو کانٹوں اور تلخی سے بھر دیتی ہے۔ ہم نہ تو اس اہل ہیں' نہ ہمیں کوئی خواہش ہے کہ ہم قربان گاہ کو اپنے ہاتھوں کے سوا کسی عضو سے چھوئیں' جبکہ یہ ہاتھ آگ سے مطہر کیے ہوئے ہیں اور مے' جب ہم کسی شے سے محبت کرتے ہیں تو محبت ہی ہمارا مقصود ہوتی ہے اور کوئی دوسرا مقصد ہمارے پیش نظر نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم اعلیٰ تر ہستی کے سامنے عقیدت اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم انکساری کو ہی عظمت اور عقیدت کو مکافات کا ایک عمل تصور کرتے ہیں۔ جب ہم کسی شے کی خواہش کرتے ہیں تو یہ خواہش ہمارے لیے ایک تحفہ ہے اور بجائے خود ایک عطیہ ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انتہائی معمولی ترین معاملات بھی ہماری خواہش اور ہماری پسند کے لیے انتہائی سودمند اور انتہائی وقیع ہو جاتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ہم دونوں--- تم اور میں--- اس شے کے بغیر نہیں رہ سکتے جو روح کو ایک مقدس خمیر سے بھر دیتی ہے۔ نہ ہی اس قافلے کے بغیر چل سکتے ہیں جو ہمیں شہر خدا میں لے جائے گا اور یہ بھی سچ ہے کہ اس شے کے بغیر بھی نہیں رہ سکتے جو ہمیں ہماری عظیم روحوں سے قریب کرتی ہے اور ہم پر وہ قوت' اسرار اور تحیر منکشف

کرتی ہے جو ہماری روحوں کے اندر موجود ہے۔ ہم اس اہل ہیں کہ روح کے معمولی ترین مظہرات میں سے بھی اپنے لیے عقلی مسرت حاصل کر لیں، کیونکہ محض ایک پھول میں سے ہم بہار کی تمام عظمت اور خوبصورتی پا لیتے ہیں اور شیرخوار بچے کی آنکھوں میں سے ہمیں نوع انسانیت کی امید اور خواہش دکھائی دیتی ہے۔ لیکن ہم ان چیزوں کو، جو ہمارے قریب موجود ہیں، ان چیزوں تک رسائی کے لیے بطور ذریعہ استعمال کرنے کے خواہاں نہیں ہیں جو ہم سے بہت دور ہیں۔ ہم نہ ہی اس اہل ہیں اور نہ ہمیں اس کی خواہش ہے کہ ہم زندگی کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور اپنی شرائط گنوائیں۔ "ہمیں وہ کچھ دو جو ہم چاہتے ہیں یا پھر ہمیں کچھ نہ دو—— جو ہم چاہتے ہیں وہی کچھ ہو، ورنہ کچھ نہ ہو"۔ نہیں، مے، ہم ایسا نہیں کریں گے، کیونکہ ہمیں احساس ہے کہ زندگی میں جو کچھ درست، ودیعت کردہ اور مستقل ہے، وہ ہماری خواہشات کے تابع نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اپنی منشا کے مطابق ہمارے رخ پھیر دیتا ہے۔ اپنی روحوں کے اسرار میں سے کسی ایک کو، ان سات ہزار میل کی دوری پر منکشف کر دینے کے پس پشت اس کے سوا بھلا کیا محرک ہوگا کہ ہم اس اسرار کو ظاہر کر دینے کی مسرت چاہتے ہیں؟ اس معبد کے دروازوں کے سامنے کھڑے ہونے کا ہمارے لیے اس کے سوا اور کیا محرک ہوگا کہ ہم وہاں کھڑے ہونے کی عظمت کو پانا چاہتے ہیں۔ ایک پرندے کا، جب وہ گانا گاتا ہے، اور ایک لوبان کا بھلا کیا محرک ہو سکتا ہے جب وہ جلتا ہے؟ ایک تنہا روح کی خواہشات بھی محدود ہوتی ہیں۔

میری سالگرہ کے موقع پر تمہاری دلی نیک تمنائیں کتنی میٹھی ہیں اور ان کی مہک کتنی نفیس۔ مے، میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں اور اس بات پر تم ضرور ہنسو گی۔ نصیب عریضہ نے "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" کے مضامین مرتب کرنا اور پھر انہیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ سے پہلے کی بات ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ان مختصر تحریروں کی ترتیب کو میرے مضمون "میری سالگرہ" کے ساتھ ملحق کر دے، جس کے عنوان کے ساتھ وہ مناسب تاریخ بھی درج کر دے گا۔ تب میں نیویارک میں نہیں تھا، سو اس نے میری تاریخ پیدائش کی تلاش شروع کی۔ وہ ایک ان تھک محقق

ہے۔ آخرکار اس نے میری ماضی بعید کی یہ تاریخ تلاش کی اور انگریزی کی تاریخ "چھ جنوری" کا ترجمہ "قانون الاول" کیا۔ اس طور اس نے میری زندگی کا دور ایک قریب ایک برس کم کر دیا اور میری پیدائش کے حقیقی دن کو قریب ایک مہینہ موخر کر دیا۔ اس دن سے یعنی "ایک آنسو اور ایک مسکراہٹ" کی اشاعت کے بعد سے میں ہر برس دوبارہ اپنی سالگرہ مناتا ہوں۔ پہلی سالگرہ ترجمہ میں غلطی کا نتیجہ ہے' تاہم میں نہیں جانتا کہ اس سے روحانی دنیا میں کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ پھر دوسرا وہ دن جب مجھے لوٹا گیا۔ خدا جانتا ہے اور تم جانتی ہو کہ میں نے اس کے لیے کتنی قیمت ادا کی ہے۔ میں نے اس کی قیمت اپنے دل کی دھڑکنوں کی صورت میں دی ہے۔ میں نے اس کی قیمت سترٹن وزنی خاموشی کے کرب اور ایک غیر معلوم شے کی شدید خواہش کی صورت میں ادا کی ہے۔ سو میں بھلا کیسے ایک کتاب کی اس غلطی کو معاف کر سکتا تھا' جس نے مجھ سے ایک برس لوٹ لیا۔

ے' میں "وادی" سے بہت دور ہوں۔ میں اس شہر بوسٹن میں دس روز قبل چند تصویریں بنانے کے لیے پہنچا ہوں اور اگر یہ میرے نیویارک کے پتے پر آئی ہوئی ڈاک مجھے نہ بھیجتے تو مجھے مزید دس دن تمہارے خط کے بغیر زندگی گزارنی پڑتی۔ اس خط نے میری زندگی کی رسی میں سے ایک ہزار گرہیں کھول دی ہیں۔ اور "انتظار" کے صحرا کو باغوں میں بدل دیا ہے۔ کیونکہ ے' انتظار وقت کا ایک ان مٹ نقش ہے۔

جبکہ میں مسلسل "انتظار" کی کیفیت میں ہوں۔ کبھی کبھار مجھے یوں لگتا ہے' میں نے زندگی ایسی شے کی توقع میں گزار دی ہے' جو ہنوز واقع نہیں ہوئی۔ اس اندھے یا معذور کی طرح' جو یروشلم میں بیتسدہ کے تالاب کے کنارے پڑا ہے کہ "ایک خاص موسم میں ایک فرشتہ تالاب میں سے گزرے گا اور پانی میں تھرتھراہٹ پیدا ہوگی۔ تب اس تھرتھراہٹ کے بعد جو کوئی سب سے پہلے تالاب میں قدم رکھے گا' اس کی ہر بیماری رفع ہو جائے گی"۔ میرے فرشتے نے تالاب کے پانی میں تھرتھراہٹ پیدا کر دی ہے اور مجھے ایک ہستی ایسی مل گئی ہے جو مجھے ان پانیوں میں اتارے گی۔ میں اس فسوں زدہ اور متاثر کن جگہ پر چلتا ہوں' میری آنکھیں نور سے

روشن ہیں اور میرے قدم پختہ ارادے کی طاقت سے مضبوط ہیں۔ میں ایک ایسے سائے کے پہلو بہ پہلو چل رہا ہوں جو تمام انسانوں کی حقیقت سے کہیں زیادہ خوبصورت اور کہیں زیادہ تاباں ہے۔ میں اپنے ہاتھ میں ایک ہاتھ لیے چلتا ہوں جو ریشم سا نرم مگر مضبوط ہے۔ جس کے پاس اپنے ارادے کی طاقت ہے۔ ایک ہاتھ' جس کی انگلیاں نرم ہیں لیکن جن میں بار اٹھانے اور بھاری زنجیروں کو توڑنے کی سکت موجود ہے اور گاہے بگاہے میں دو آنکھوں اور دو ہونٹوں کو دیکھنے کے لیے گردن پھیرتا ہوں' جو مٹھاس سے مملو مسکراہٹ میں بھیگے ہوئے ہیں۔

ایک مرتبہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری زندگی دو زندگیوں میں منقسم ہے۔ ایک زندگی میں کام کرتے اور لوگوں سے ملتے ہوئے گزارتا ہوں اور دوسری دھند میں۔ لیکن یہ کل کی بات تھی' اب میری زندگی یکجا ہو چکی ہے۔ میں دھند میں کام کرتا ہوں' دھند میں ہی لوگوں سے ملتا ہوں اور دھند ہی میں سوتا' خواب دیکھتا اور بیدار ہوتا ہوں۔

بے شک یہ وجد کی کیفیت ہے' جو پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی گونج سے بھری ہے۔ وجد کی اس کیفیت میں تنہائی' پھر تنہائی نہیں رہتی اور غیر معلوم کی خواہش کا کرب مجھے اتنا سرور دیتا ہے جتنی مسرت بخش کوئی دوسری شے نہیں ہے۔ یہ ایک الہامی وجد کی کیفیت ہے۔ ے' ایک الہامی وجد اس شے کو قریب لاتا ہے جو دور ہے' اسے بے نقاب کرتا ہے' جو پنہاں ہے اور ہر شے کو منور کر دیتا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ اس الہامی وجد کے بغیر زندگی چوکر کے بغیر آٹا ہے۔ میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ میں کہتا' کرتا یا سوچتا ہوں' وہ اس دھند میں گزرے ایک منٹ کے آگے بالکل ہیچ ہے۔

تم چاہتی ہو کہ "غنائی نظم" کے الفاظ میرے دل پر نقش ہو جائیں۔ تم انہیں میرے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہو تاکہ تم اس نازک جسم سے' جس کو میں اٹھائے پھرتا ہوں یا جو مجھے اٹھائے پھرتا ہے' انتقام لے سکو۔ اسے نقش ہونے دو' اسے نقش ہونے دو' اسے نقش ہونے دو' آؤ ہم تمام غنائی نظموں کو' جو خلا میں ٹھہری ہوئی ہیں'

بلائیں اور انہیں حکم دیں کہ وہ ہر طرف زمین پر پھیل جائیں اور نہریں کھودیں' سڑکیں تعمیر کریں' محل استادہ کریں' مینار اور معبد بنائیں اور ویرانوں کو باغوں اور گلشنوں میں بدل ڈالیں کیونکہ بہت سے لوگ یہاں رہنے کے لیے آئیں گے اور اسے اپنا گھر بنالیں گے۔ ے' تم فاتحین کی ایک عظیم اور کثیر قوم سے تعلق رکھتی ہو۔ تم سات بہنوں میں سے ایک ہو' سورج کی روشنی میں مسکراتی ہو' تتلیوں کے پیچھے بھاگتی ہو' گلاب کے پھول اکٹھے کرتی ہو اور جھرنوں میں کودتی پھاندتی ہو۔ میرے لیے زندگی میں اس سے بڑھ کر خوشگوار شے اور کیا ہوگی کہ میں اس پیاری ننھی لڑکی کے تعاقب میں بھاگوں' اسے پکڑوں اور اسے واپس لاؤں تاکہ اسے وہ قصے کہانیاں سنا سکوں جو عجیب اور حیران کن ہوں' حتیٰ کہ خواب اس کی پلکوں کو چھوئیں اور وہ ایک خاموش اور حوروں کی سی معصومیت کے ساتھ سو جائے۔

تمہارا

جبران

نیویارک

۶ر اپریل ۱۹۲۱ء

مے'

کیا عورت کے لیے یہ ہدایت بہتر ہے کہ وہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کے لیے پردہ کرے اور اپنے دل اور اپنے آپ کو لوگوں کی آنکھوں اور نظر سے چھپا کر رکھے؟ خدا نے تمہیں ایک ذہن اور ایک روح کی حیثیت سے بھیجا ہے۔ ہمیں تمہارے چہرے اور تمہارے ذہن کی آگ کی شدید ضرورت ہے۔ تو پھر تم ہمیں یہ سب کچھ کیوں نہیں دیتی ہو؟

اور اب ہم نے یہ خونیں جنگ ختم کر دی ہے۔ باپ' بھائی' رفیق اور تمہارے دوست۔ تمہارے خاندان کے دیگر اراکین سبھی تم سے التجا کرتے ہیں کہ تم اپنے دل اور روح کو اشعار کی صورت میں نثر اور شاعری دونوں میں بیان کرو اور اس طرح کھڑی ہو جاؤ جیسے راہبہ قربان گاہ کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ چاہے ہر دو ماہ بعد بس ایک مرتبہ ہی ایسا کرو اور اس سحر آگین دنیا کی بات کرو جو خیال' علم' تحقیق اور منطق کی دنیاؤں کے پس پشت موجود ہے۔

اب ایک تازہ خبر سنو! مجھے ایک اعلیٰ درجے کا ٹیلی سکوپ ملا ہے۔ میں ہر رات ایک یا دو گھنٹے لا انتہاء کا مشاہدہ کرنے میں گزارتا ہوں' اس شے کے قریب ہونے کا تجربہ کرتا ہوں جو دور اور بعید ہے اور عظیم کل کے رعب و دبدبہ میں رہتا ہوں۔ یہ آدھی رات کا وقت ہے اور "اورین" اپنے سماوی چکر میں اپنے مقام پر پہنچ چکا ہے اور تم جانتی ہو مے' کہ ادھر خلاء میں اورین کے مدار کے قریب موجود

ستاروں کا جھرمٹ ایک انتہائی خوبصورت اور انتہائی متاثر کن منظر ہے۔ سو میری رفیق، آؤ ہم اپنی جگہ سے اٹھیں اور اوپر چھت پر جا کر رات کے آسمان کو دیکھیں اور فرشتوں کی آنکھوں میں حیرانی، جذبے اور علم کی خوبصورتی کا مشاہدہ کریں۔

میری پیاری رفیق، میں تو کہوں گا کہ انسان کی زندگی تب تک ایک ایسے صحرا کی طرح خالی ہے، جس میں سوائے ریت کے کچھ نہیں ہے، جب تک خدا اسے ایک بیٹی عطا نہ کرے جیسے میری ننھی شہزادی ہے اور میری پیاری رفیقہ میرا یہ بھی خیال ہے کہ جس کی کوئی بیٹی نہیں ہے اسے ایک بیٹی گود لے لینی چاہیے، کیونکہ وقت کا مفہوم اور اسرار نوجوان لڑکیوں کے دلوں میں پنہاں ہوتا ہے۔

میں اپنی بیٹی کو شہزادی کہتا ہوں کیونکہ وہ جو حرکت یا اشارہ کرتی ہے اور اس کی آواز کی موسیقیت، اس کی مسکراہٹ، اس کی شوخیاں اور اس کی خوش تدبیری--- یہ سب کچھ اس کے شاہی کردار کے غماز ہیں۔ وہ استقامت پسند ہے اور اپنے نظریات پر یقین محکم کے ساتھ ثابت قدم رہتی ہے کہ کوئی ان میں کچھ تبدیلی یا ترمیم کرنے کے اہل نہیں ہو سکتا لیکن، وہ اپنے جابرانہ رویے اور اپنے مطلق فیصلے میں بھی پیاری لگتی ہے۔

یہ ایک مختصر خط ہے، ایک بہت مختصر خط۔ لیکن یہ گزشتہ پانچ ہفتوں میں لکھا گیا پہلا خط بھی ہے۔ کیا تم اس میں وہ سب کچھ پڑھ پائی ہو جو لکھا نہیں جا سکا؟ صبح بیدار ہونے کے بعد میں اسے دوبارہ لکھوں گا۔ بہار مجھے بازو سے تھام لے گی اور مجھے میرے شب خوابی کے لباس میں سے نکال کر مرغزاروں کی اور لے چلے گی، جہاں زندگی اپنے بچوں کو نیا دل عطا کرتی ہے اور ان کی سرگوشیوں اور سانسوں کو گیتوں اور حمدیہ مناجات میں تبدیل کرتی ہے۔

برائے مہربانی، مے، میری دوست، مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میں التجا کرتا ہوں کہ مجھ سے ناراض مت ہونا۔ میرے لیے دعا کرو، کیونکہ میں ہمیشہ تمہارے لیے دعا کرتا ہوں۔

جبران

نیویارک

ہفتہ کی شام' ۲۱ر مئی ۱۹۲۱ء

میری دوست' مے!

"بہت محبت کے ساتھ --- اور انتہائی محبت کے ساتھ" --- یہ ایک سادہ سچا فقرہ ہے جو حال ہی میں مجھ پر واضح ہوا ہے۔ اس نے میری روح کے لیے نئے دروازے اور کھڑکیاں وا کی ہیں۔ ایک بار میں نے محسوس کیا کہ میں نے خود کو ایسے مناظر کے روبرو پایا تھا جن کے بارے میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ دنیا میں موجود ہیں۔

"بہت محبت کے ساتھ --- اور انتہائی محبت کے ساتھ" --- ان الفاظ "بہت زیادہ" --- اور "محبت" سے میں نے مسرت کے ساتھ عبادت کرنا اور امن میں خواہش کرنا اور بغیر کسی پشیمانی کے دست بردار ہونا سیکھا۔ آخر میں نے محسوس کیا کہ ایک تنہا شخص اپنی تنہائی کو اس لفظ "بہت زیادہ" کے نور سے بھرنے اور اپنی تھکن کو "محبت" کی مٹھاس سے رفع کرنے کے اہل ہوتا ہے اور میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ایک تنہا شخص جو اجنبی ہے ایک باپ' ایک بھائی' ایک ساتھی اور ایک دوست بننے کے اہل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک بچہ بن کر زندگی سے لطف اندوز ہونے کے بھی اہل ہوتا ہے۔ "بہت زیادہ محبت کے ساتھ" میں "بہت زیادہ" اور "محبت" کے الفاظ وہ پنکھ ہیں جو پھیلتے ہیں اور وہ ہاتھ ہیں جو دعا دیتے ہیں۔

میری صحت اس سے بہتر ہے' جو ایک ماہ پہلے تھی۔ لیکن میں خود ہنوز ٹھیک نہیں ہوں۔ یہ نزار جسم ابھی تک تنظیم' توازن اور تناسب نہیں پا سکا۔ تم چاہتی ہو

کہ میں تمہیں بتاؤں کہ آخر مجھے کیا پریشانی ہے۔ سو یہ پریشانی ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:

"کام کی زیادتی اور غذائیت کی کمی کے سبب اعصابی کمزوری ہے۔ پورے نظام میں عمومی انتشار موجود ہے۔ اختلاج قلب اس کا ایک ناگزیر نتیجہ ہے۔ نبض ایک منٹ میں ۱۱۵ بار دھڑکتی ہے جبکہ نارمل تعداد ۸۰ ہے"۔

ے 'گزشتہ دو سالوں میں' میں نے اپنے جسم پر ازحد بوجھ لاد دیا ہے۔ میں صبح کی روشنی کے ختم ہونے تک مصوری کرتا ہوں' پھر اگلی صبح تک لکھتا ہوں' پھر لیکچر دیتا ہوں اور ہر طرح کے لوگوں سے ملتا ہوں۔ جبکہ یہ آخری سرگرمی اس دنیا میں میرے لیے سب سے مشکل ہے۔ رات کے کھانے پر میں ان سے گفتگو میں مصروف رہتا ہوں جو مجھ سے بات کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ پھر وہ وقت آتا ہے جب کافی پیش کی جاتی ہے۔ میں اسے بہت مقدار میں پی جاتا ہوں اور پھر اسے خوراک اور پانی کے متبادل کی حقیقت سے قبول کر کے مطمئن ہو جاتا ہوں۔ اکثر میں آدھی رات کے وقت گھر لوٹتا ہوں' پھر ویسا کرنے کے بجائے جس کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے یعنی جو جسم کے ساتھ ہمارا رویہ ہونا چاہیے' اس کے برعکس میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہوں' تیز کافی پیتا ہوں اور رات کا بقیہ حصہ لکھنے یا مصوری کرنے میں گزارتا ہوں۔ گویا میں مصلوب کیا گیا ہوں۔ اگر میں اپنے شمالی لبنانی لوگوں کی طرح خود کو سنبھال کر رکھتا تو یہ بیماری اتنی تیزی سے مجھ پر اپنی گرفت قائم نہ کر پاتی۔ وہ جسمانی طور پر مضبوط اور قوی ہوتے ہیں جبکہ میں ان سے بالکل متضاد ہوں۔ اس قوی ہیکل قوم سے میں وراثت میں کوئی ایک خوبی بھی نہ پا سکا۔ میں نے اپنی بیماری کے بارے میں گفتگو کرنے میں خاصا وقت اور صفحہ ضائع کیا ہے۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا' لیکن آخر میں اس صورت میں بھلا اور کیا کر سکتا تھا کہ میرے پاس تمہارے تمام سوالات کا جواب دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ سوالات جن میں شدید لگاؤ "کریم النفسی اور فکرمندی" کی حدت ہے۔

یہ طویل خط کہاں ہے؟ ایک لفظی معموں کے نقشے کی صورت میں چوکور لپٹے ہوئے کاغذ پر پنسل سے لکھا ہوا اور دریا میں کشتیوں کی ایک طویل قطار کے پرے ایک خوبصورت باغ میں موجود ہے۔

ے' میرا خط کہاں ہے؟ تم نے اسے مجھے کیوں نہیں بھیجا؟ مجھے اس کو پانے کا کتنا اشتیاق ہے اور میں اسے پورے کا پورا حاصل کرنا چاہتا ہوں' اس کی معمولی تفصیلات سمیت ـــــ کیا تم جانتی ہو کہ اس کا ایک مختصر اقتباس پڑھنے کے بعد اسے پانے کی مجھ میں کیسی شدید خواہش پیدا ہوئی ہے؟ میرے لیے یہ ایک الہامی شے ہے جو ایک نئی سحر کے طلوع کی نوید لے کر آیا ہے۔ یہ "پاگل کے ساتھ" جیسے الفاظ استعمال کرنے کی میری منطق کے اظہار کے لیے کافی ہوگا کہ گزشتہ رات میں نے تمہیں یہ درخواست کرنے کے لیے تار بھیجا تھا کہ تم مجھے وہ خط بھیج دو۔

کیا تمہیں مجھ میں اچھائی کا کوئی پہلو دکھائی دیتا ہے؟ کیا تمہیں اچھائی کی ضرورت ہے؟ تمہارے الفاظ تو اپنی مٹھاس سے ہی مجروح ہوتے ہیں' تو میرا جواب بھلا کیا ہوگا؟ اگر میری ہستی میں کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کی تمہیں ضرورت ہو تو وہ مکمل طور پر تمہاری ہے۔ اچھائی بذات خود کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اس کا متضاد جہالت ہے۔ کیا جہالت وہاں ٹھہر سکتی ہے جہاں "بہت زیادہ محبت" موجود ہو؟

اگر اچھائی محبت میں خوبصورتی پر' ایک نفیس شے کی موجودگی میں رعب و دبدبہ کے احساس پر' اور دور دراز اور گمنام شے کی خواہش پر مشتمل ہے ـــــ اگر اچھائی ان سب چیزوں کی صورت میں ہے' تو پھر میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اچھائی کے حامل ہیں۔ لیکن اگر یہ ان سب باتوں کے علاوہ کہیں موجود ہے تو پھر مجھے خود بھی علم نہیں ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ ے' میں محسوس کرتا ہوں کہ ایک مکمل عورت ایک مرد کی روح میں' چاہے وہ مرد جاہل ہی کیوں نہ ہو' اچھائی کی موجودگی کا تقاضا کرتی ہے۔

میری کتنی خواہش ہے کہ کاش اس وقت میں مصر میں ہوتا؟ میری کتنی خواہش ہے کہ میں اپنے ملک میں ان لوگوں کے پاس ہوتا جن سے مجھے محبت ہے؟

ے' کیا تم جانتی ہو کہ ہر روز میں خود کو کسی مشرقی شہر کے مضافات میں ایک گھر میں تصور کرتا ہوں۔ اور میں تصور کرتا ہوں کہ میری دوست میرے سامنے بیٹھی اپنا تازہ ترین غیر مطبوعہ مضمون سنا رہی ہے اور ہم اس بات پر متفق ہونے سے پیشتر کہ یہ اس کی بہترین تحریر ہے' دیر تک اس کے نفیس مضمون پر بحث کرتے ہیں۔ ساتھ ہی میں یہ بھی تصور کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اپنے بستر کے تکیے کے نیچے سے چند صفحے نکالتا ہوں اور وہ تحریر پڑھتا ہوں جو گزشتہ رات میں نے لکھی تھی اور میری دوست خلیقی کے ساتھ اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتی ہے۔ گو وہ اپنے آپ سے یہی کہے گی "ایسی حالت میں اسے نہیں لکھنا چاہیے۔ اس تحریر کی ہیئت بڑی کمزور' ڈھیلی اور الجھی ہوئی ہے— جب تک یہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتا اسے ایسی ذہنی مشقت نہیں کرنی چاہیے"۔ میری دوست یہ بات اپنے آپ سے کہے گی لیکن میں اسے اپنے اندر سنوں گا اور کسی حد تک اس کی بات کی صداقت پر ایمان لے آؤں گا۔ بعد ازاں میں بلند آواز میں کہوں گا "مجھے ایک موقع دو' مجھے ایک یا دو ہفتوں کا موقع دو' میں تمہیں ایک بہترین تحریر سناؤں گا"۔ اس پر تم ترکی بہ ترکی کہو گی "مجھے ایک سال کے لیے لکھنے' مصوری کرنے یا ایسی ہی کسی بھی سرگرمی سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں تم سے بہت ناراض ہو جاؤں گی"۔ میری دوست "ناراض" کے لفظ کو مکمل آمرانہ انداز میں کہے گی۔ پھر وہ ملکوتی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھے گی۔ حتیٰ کہ میں کچھ دیر کے لیے اس کی ناراضگی اور مسکراہٹ کے بیچ الجھ جاؤں گا۔ اور پھر میں اس کی ناراضگی اور مسکراہٹ پر مسرور ہو جاؤں گا۔ حتیٰ کہ خود اپنا الجھاؤ بھی مجھے مسرت بخش معلوم ہو گا۔

لکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ گزشتہ چند مہینوں میں چھپنے والے تمہارے مضامین اور افسانوں سے مجھے کس قدر مسرت حاصل ہوئی ہے؟ میں نے تمہارے ہر ہر فقرے پر اپنے دل کو خوشی سے معمور پایا ہے۔ انہیں دوبارہ پڑھنے پر مجھے محسوس ہوا کہ اس کے تمام معمولی نکات میرے لیے ذاتی اہمیت کے حامل ہیں۔ اور ان تصورات اور ہیئتوں میں' میں نے وہ کچھ پڑھا ہے جو کوئی دوسرا شخص ان

سطروں کے بیچ نہ دیکھ اور نہ پڑھ سکا ہے۔ وہ سطریں جو بس میرے لیے ہی لکھی گئی ہیں۔ مے' تم زندگی کے خزینوں میں سے ایک خزینہ ہو۔ نہیں' تم اس سے بھی بڑھ کر کچھ ہو---- تم بس تم ہو---- میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تم اسی قوم سے ہو جس سے میں بھی ہوں' اور تم اسی دور میں زندہ ہو جس میں' میں خود بھی زندہ ہوں۔ جب کبھی میں تمہارے بارے میں ایسا تصور کرتا ہوں کہ تم گزشتہ صدی یا کسی اگلی صدی میں ہوگی تو میں اپنا ہاتھ بلند کرتا ہوں اور ہوا کو صاف کرتا ہوں جیسے اپنے چہرے کے سامنے سے کوئی غبار ہٹا رہا ہوں۔

دو یا تین ہفتوں کے بعد میں ایک قصبے میں ایک مختصر گھر میں رہنے کے لیے جاؤں گا جو سمندر اور جنگل کے بیچ خوابوں سے بنا ہے۔ وہ جنگل کتنا خوبصورت ہے؟ اور اس میں کتنی کثرت سے پھول' پرندے اور چشمے ہیں؟ چند سال قبل میں اکیلا ہی اس جنگل میں گھوما کرتا تھا۔ پھر میں آگے سمندر کے ساحل پر چلا جاتا اور اداسی کے ساتھ چٹانوں پر بیٹھ جاتا تھا۔ یا پھر لہروں میں گھس جاتا۔ ایک ایسے شخص کی طرح جو اس دنیا اور اس کے بھوتوں سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہو لیکن اس موسم گرما میں' میں جنگل میں پھروں گا' اور سمندر کے ساحل پر بیٹھوں گا اور اپنی روح میں ایک ایسی شے کی موجودگی کو محسوس کروں گا جو مجھے میری تنہائی کو ختم کرنے میں مدد دے گی اور میرے دل میں ایسی قوت موجود ہوگی جو مجھ میں سے اداسی کو زائل کر دے گی۔

مے' مجھے بتاؤ تم اس موسم گرما میں کیا کرو گی؟ کیا تم سکندریہ میں "راملے" جا رہی ہو یا لبنان؟ کیا تم اکیلی ہی ہمارے لبنان میں جا رہی ہو؟ آہ' کب میں لبنان جا سکوں گا؟ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ میں کب خود کو اس ملک اور ان طلائی زنجیروں سے آزاد کرپاؤں گا' جو میری خواہشات نے میری گردن کے گرد باندھ رکھی ہیں؟

مے' کیا تمہیں یاد ہے تم نے مجھے بتایا تھا ایک مرتبہ بیونس ایریز کے ایک صحافی نے تمہیں لکھا کہ وہ تمہاری تصویر اور تمہارا کوئی مضمون حاصل کرنا چاہتا ہے؟ میں نے متعدد بار اس صحافی کی درخواست پر غور کیا ہے جو تمام صحافیوں کی درخواست ہے۔ تو ہر بار میں نے افسوس کے ساتھ بس یہی کہا "میں صحافی نہیں ہوں۔ میں صحافی

نہیں ہوں۔ سو یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ صحافیوں جیسی یہی درخواست تم سے کروں۔ کاش میں کسی جریدے کا مدیر یا مالک ہوتا' تو میں بڑی آزادی کے ساتھ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور خوف کے تم سے تمہاری تصویر مانگتا اور نہ ہی مجھے کپکپاتے ہوئے الفاظ پر مبنی کوئی تمہید باندھنی پڑتی"۔ میں نے یہ سب لکھ دیا ہے اور ہنوز اپنے دل میں اسے دہرا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ جو میرے دل میں بستے ہیں میری بات سمجھ جائیں۔

آدھی رات گزر چکی ہے۔ اب تک میں وہ لفظ صفحے پر نہیں لکھ سکا جو میرے ہونٹ ادا کر رہے ہیں۔ جو کبھی سرگوشی میں اور بلند آواز میں ظاہر ہوتے ہیں۔ میں اس لفظ کو جسے میں ادا کرنا چاہتا ہوں' خاموشی کے مرکز میں رکھتا ہوں۔ کیونکہ خاموشی وہ سب باتیں سنبھال کر رکھتی ہے جو ہم محبت' جذبے اور ایمان کے ساتھ کہتے ہیں۔ اور مے' خاموشی ہماری دعاؤں کو وہاں لے جاتی ہے جہاں جانے کی ہم خواہش کرتے ہیں اور خاموشی ہماری دعاؤں کو خدا تک پہنچاتی ہے۔

میں اب سونے جا رہا ہوں۔ آج رات میں دیر تک سوؤں گا۔ میں وہ سب کچھ جو صفحے پر نہیں لکھ سکا' تم سے خوابوں میں کہوں گا۔ شب بخیر' مے۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔

جبران

نیویارک

پیر کی صبح' ۳۰ر مئی ۱۹۲۱ء

مائے' جانم' میری دوست!

میں ابھی ایک عجیب خواب سے بیدار ہوا ہوں۔ اس خواب میں' میں نے تمہیں مجھ سے کچھ کہتے ہوئے سنا۔ لیکن تمہارا لہجہ کٹھور اور درشت تھا۔ جو بات مجھے اس خواب میں ناگوار گزری اور جو ہنوز مجھے اذیت دے رہی ہے' وہ یہ ہے کہ میں نے تمہاری پیشانی پر ایک چھوٹا زخم دیکھا۔ اس سے خون ٹپک رہا تھا۔ ہماری زندگیوں میں' ہمارے خوابوں کے سوا جو ہم دیکھتے ہیں' کوئی دوسری شے اس درجہ قابل غور اور اہم نہیں ہے۔ میں ایسا شخص ہوں جو بے تحاشا خواب دیکھتا ہے لیکن ان خوابوں کو جو میرے محبوب لوگوں کے متعلق نہ ہوں' میں بھول جاتا ہوں۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اس خواب سے بڑھ کر واضح خواب کبھی دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس صبح پریشان' منتشر الذہن اور مضطرب ہوں۔

تمہارے لہجے کے کٹھور پن اور درشتی کے آخر کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ اور تمہاری پیشانی پر موجود زخم کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا کوئی ایسا فرد موجود ہے جو مجھے بتائے کہ میری اداسی اور کلفت کے پس پشت کیا اسباب پوشیدہ ہیں؟

میں سارا دن دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہوئے گزاروں گا۔ میں اپنے دل کے سکوت میں تمہارے لیے دعا مانگوں گا۔ میں ہم دونوں کیلئے دعائے خیر مانگوں گا۔

خدا تم پر رحمت کی بارش کرے اور تمہیں اپنی جائے امان میں رکھے۔

جبران

نیو یارک

۹ر مئی ۱۹۲۲ء

میری قابل احترام دوست'

محترمہ' آپ نے مجھ سے پوچھا' کیا میں اپنی سوچ' دل یا روح میں تنہا ہوں؟ کیسے میں اس کا جواب دوں؟ میں اپنی تنہائی کو دوسروں کی تنہائی سے زیادہ بڑا اور گہرا نہیں پاتا۔ ہر کوئی تنہا ہے اور اس کا کوئی نہیں۔ ہم میں سے ہر کوئی ایک معمہ ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی ہزاروں پردوں کے پیچھے چھپا ہے۔ سو مجھ ایسے تنہا شخص اور دوسرے تنہا شخص میں کیا فرق رہ جاتا ہے سوائے اس کے کہ ایک اپنی تنہائی کا اظہار کرتا ہے اور دوسرا اسے اپنے تک ہی رکھتا ہے۔ ہو سکتا ہے گفتگو میں کچھ آرام ملتا ہو' ہو سکتا ہے خاموشی میں کچھ بہتری ہو؟

محترمہ میں نہیں جانتا' آیا میری تنہائی اپنی تمام تر اداسی کے ساتھ میرے بہروپ کی ترنگ کا اظہار ہے یا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میری "میں" نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ نہیں' میں نہیں جانتا۔ تاہم اگر تنہائی کمزوری کا نشان ہے تو پھر میں دنیا کا کمزور ترین انسان ہوں۔

جہاں تک میرے مضمون "میری ذات خود میرے ہی ثمرات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے" کا تعلق ہے تو "یہ کسی گزراں غم کے لمحہ میں ایک شاعر کی آہ نہیں ہے" بلکہ یہ ایک عام' قدیم اور مستند احساس کی گونج ہے' جس کا متعدد لوگ تجربہ کر چکے ہیں اور ہنوز کر رہے ہیں۔ اور محترمہ آپ جانتی ہیں کہ کبھی کبھار یہ ایسی خوبی ہوتی ہے جو کسی افتخار یا خود رائی سے ماوراء نہیں ہوتی لیکن جو بہرحال فطری ہوتی ہے۔

آپ نے درست کہا ہے "ایک ہجوم کے بیچ تنہائی کا احساس اور کرب کئی چند ہو جاتا ہے"۔ یہ ایک بنیادی سچ ہے کیونکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود کو اپنے دوستوں اور خیرخواہوں کے بیچ پاتا ہے' ان سے گفتگو کرتا ہے' تبادلہ خیالات کرتا ہے' ان کے افعال اور خیالات میں شریک ہوتا ہے' یہ سب کچھ وہ پورے خلوص اور دل کے ساتھ کرتا ہے لیکن پھر بھی اس ظاہری دنیا میں اپنی ظاہری ذات کی بندشوں سے ماورا ہونے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ اس لیے کہ اس کی ذات' اس کی خفیہ ذات اپنی اصل دنیا میں خاموش اور تنہا رہتی ہے۔

بہت سے لوگ جن میں' میں بھی شامل ہوں' دھوئیں اور راکھ کے شائق ہوتے ہیں' لیکن وہ آگ سے ڈرتے بھی ہیں کیونکہ یہ آنکھوں کو چکاچوند کر دیتی اور انگلیوں کو جلا دیتی ہے۔ بہت سے لوگ جن میں' میں بھی شامل ہوں' ایک دوسرے سے محض سطحی تعلقات قائم کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ اصل ذات کو فراموش کر دیتے ہیں کیونکہ وہ کبھی ان کا ادراک نہیں کر پاتے۔ کسی انسان کے لیے یہ سہل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو یہ دکھانے کے لیے کہ ان کے اندر کیا چھپا ہے' اپنے دل کو چیر کر باہر نکالے۔ محترمہ' یہی تنہائی ہے' اور یہی اداسی ہے۔

میں نے قصداً اپنے بارے میں غلط بتایا تھا' جب گزشتہ موسم گرما میں تمہیں یہ لکھا تھا کہ "پچھلے چھ ہفتوں سے میں تمہیں خط لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں"۔ مجھے لکھنا چاہیے تھا "گزشتہ چھ ہفتوں سے میں لوگوں کو اپنے خطوط کی نقل کے لیے التجا کرتا رہا ہوں۔ کیونکہ میرے دائیں ہاتھ کے اعصاب کمزور تھے اور لکھنا ممکن نہیں تھا"۔ لیکن ایسا کبھی نہ ہو سکا کہ "کوشش" کا لفظ میرے دوست کے ہاتھوں میں چاقو بن جائے۔ میں ہمیشہ اسی واہمے میں رہا کہ ایک بلند پرواز روح کبھی الفاظ کی گپھا میں قید نہیں ہو سکتی اور دھند کبھی پتھر میں نہیں ڈھل سکتی۔ میں خواب اور صرف خواب دیکھا کرتا تھا' اپنی اسی محویت میں مجھے تسکین ملتی تھی' لیکن جب طلوع صبح ہوئی اور میں جاگا تو میں نے خود کو اپنے ہاتھ میں ایک چھلے ہوئے نرسل کے ساتھ راکھ کے ڈھیر کے اوپر بیٹھا ہوا پایا' جبکہ میرے سر پر کانٹوں کا ایک تاج تھا۔ بہرحال' قصور میرا

ہی ہے۔ یہ میں ہی ہوں' ے' جسے موردِ الزام ٹھہرانا چاہیے۔

مجھے امید ہے کہ یورپ کی سیر کرنے کی تمہاری خواہش پوری ہو چکی ہوگی۔ تمہیں خاص طور پر اٹلی اور فرانس میں فن اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوئی ہوں گی جو تمہیں مسرور اور شاداں کر دیں۔ وہاں عجائب گھر اور کتب خانے ہیں' وہاں ایک قدیم گاتھی طرز کا گرجا گھر ہے' وہاں نشاۃ ثانیہ کی دو صدیوں یعنی چودھویں اور پندرھویں صدی کی یادگاریں ہیں' وہاں دنیا کی ان مفتوح اور فراموش شدہ قوموں کی باقیات میں سے بہترین حصہ ہنوز موجود ہے۔ محترمہ' یورپ چوروں کی ایک سرائے ہے' وہ ماہرین اور ناقدین وہاں موجود ہیں جو گراں قدر اشیاء کی قیمت سے شناسا ہیں اور جانتے ہیں کہ کیسے انہیں خریدا جائے۔

میرا اگلے موسم خزاں تک مشرق واپس آنے کا ارادہ ہے۔ لیکن پھر کچھ غور و خوض کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اجنبی لوگوں کے بیچ اجنبی ہونا اس سے کہیں آسان قابلِ برداشت بات ہے کہ اپنوں میں انسان اجنبی بن جائے۔ میں ویسا نہیں ہوں جو آسان راستوں کی کھوج کرتا ہو۔ حتیٰ کہ پاگل پن اور مایوسی کے بھی کچھ ضابطے ہوتے ہیں۔

میری نیک خواہشات اور میری مبارک باد کو قبول کرو۔ خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے۔

تمہارا مخلص دوست
خلیل جبران خلیل

نیو یارک

۵ر اکتوبر ۱۹۲۳ء

مے!

نہیں' مے' اضطراب ان ملاقاتوں میں نہیں ہوتا جو دھند میں ہوں' بلکہ ان ملاقاتوں میں ہوتا ہے' جن میں گفتگو ہو۔ جب میں تمہیں اس دور دراز اور خاموش جگہ پر ملتا ہوں تو تم میرے لیے ایک نرم رو اور مہربان دوشیزہ ہوتی ہو' جو ہر شے سے باخبر اور آگاہ ہے' جو خدا کے نور میں زندگی کو دیکھتی ہے' اور جو زندگی کو خود اپنی روح کے اجالے سے بھر دیتی ہے۔ لیکن جب کبھی ہم روشنائی کی تاریکی اور صفحے کی سفیدی میں ملتے ہیں' تو مجھے ہم دونوں ایک انتہائی جھگڑالو حریف دکھائی دیتے ہیں جو ایک دوبدو جنگ میں مصروف ہوں---- ایک عقلی جنگ جو محض چند پیائشوں اور محدود نتائج سے عبارت ہے۔

خدا تمہاری مغفرت کرے' تم نے میرے دل کا سکون چھین لیا ہے۔ مجھے تو میری مستقل مزاجی اور تمرد نے ہی بچایا ہے ورنہ تم میرا ایمان بھی مجھ سے چھین لیتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو ہمارے بہت قریب ہوتے ہیں' وہی لوگ دراصل ہماری زندگیوں کو الجھا دینے اور منتشر کر دینے کا سب سے زیادہ امکان رکھتے ہیں۔

ہمیں ایک دوسرے کو رد کر دینے کی بجائے' ایک دوسرے سے مفاہمت کر لینی چاہیے' لیکن ہم اس مفاہمت کے درجہ کو تب تک نہیں پا سکتے' جب تک ہم ایک یگانہ اخلاص پسندی کے ساتھ ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کریں گے۔ ہم دونوں کا اصرار اسی امر پر ہے کہ ہم خطابت کو اس کے فن' خوش تدبیری' تزئین اور

ہیئت کے تمام تر تقاضوں کے ساتھ استعمال کریں۔ میں اور تم یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ دوستی اور خطابت پسندی کو آسانی سے باہم یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ مے' دل بہت سادہ ہے جبکہ دل کے مظہرات نامکمل باتیں ہوتی ہیں۔ جبکہ خطابت ایک سماجی ہتھیار ہے۔ سو کیا تم مجھ سے اتفاق کرو گی کہ ہمیں خطابیہ انداز سے گفتگو کا سادہ انداز اپنا لینا چاہیے۔

"تم مجھ میں زندہ ہو اور میں تم میں زندہ ہوں۔ تم ہر بات جانتی ہو اور میں بھی ہر بات جانتا ہوں"۔

کیا یہ چند الفاظ ان تمام باتوں سے زیادہ بہتر نہیں ہیں جو ہم نے ماضی میں ایک دوسرے سے کی ہیں؟ پارسال ہمیں یہی بات کہنے سے آخر کس بات نے مانع رکھا؟ کیا یہ جھنجلاہٹ' افتخار' سماجی بندشیں یا کیا تھا؟ ابتداء ہی سے ہم اس بنیادی حقیقت سے باخبر تھے تو پھر ہم اس بات کو اس طور کھلم کھلا بیان نہیں کر سکے جو مخلص اور باوفا عاشقوں کا وطیرہ ہے؟ اگر ہم ایسا کر لیتے تو ہم خود کو شک' اذیت' افسوس' بے اعتنائی اور کوفت سے بچا لیتے۔ وہ کوفت جس نے دل کے شہد کو تلخ بنا دیا اور دل کی روٹی کو گرد میں بدل دیا۔ خدا تمہیں اور مجھے دونوں کو معاف کرے۔

ہمیں آپس میں مفاہمت کر ہی لینی چاہیے۔ ہم اسے کیونکر حاصل کر سکتے ہیں جب کہ ہم مکمل طور پر ایک دوسرے کی بے تکلفی پر انحصار کیے بیٹھے ہیں۔ مے' میں تمہیں بتاتا ہوں' میں تمہیں زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے پیچھے پنہاں ہے' کو حاضر ناظر مان کر کہتا ہوں کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو "غنائی نظمیں" اس لیے لکھتے ہیں تاکہ انہیں مغرب سے مشرق میں فقط نجی مکتوب میں بھیج سکیں' نہ ہی میں ان میں سے ہوں جو صبح تو یہ دکھڑا روتے ہیں کہ وہ اپنے ثمرات کے بوجھ تلے دبے ہیں لیکن شام ہونے تک اپنے آپ کو' اپنے ثمر اور اس کے بوجھ کو فراموش کر چکے ہوتے ہیں' نہ ہی میں ان میں سے ہوں جو اپنی انگلیوں کو آگ سے مطہر کیے بغیر مقدس شے کو چھو لیتے ہیں' نہ ہی میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے دنوں اور راتوں کے خلاء کو محسوس کر کے اسے آوارہ گردیوں سے بھرنے کی کوشش کرتے

ہیں۔ نہ ہی میں ان میں سے ہوں جو اپنے دلوں کے رازوں کو اور ان تمام باتوں کو جو ان کی روح میں مخفی ہیں، محض اس لیے اخفاء کر دیتے ہیں تاکہ انہیں چلتی ہوئی ہوا کے ساتھ عام کر دیں۔ یہ سچ ہے کہ میں ایک مختلف انسان ہوں اور میں اسی طرح ہر اس عظیم، نفیس، خوبصورت اور خالص شے کا متمنی ہوں جس انداز سے باقی لوگ عظمت، نفاست، خوبصورتی اور پاکیزگی کی خواہش کرتے ہیں۔ میں دوسرے انسانوں میں ایک اجنبی بھی ہوں۔ اس کی وجہ بھی صرف میں ہوں۔

ان دوسرے لوگوں کی مانند عورت اور مرد دونوں ستر ہزار دوستوں کے باوجود اپنے طور پر اکیلے ہیں۔ نہ ہی مجھے دوسرے انسانوں کی طرح جنسی مشاغل میں شامل ہونے کی خواہش ہے، جن کے خود اذیت پسندانہ عنوان ہیں اور جن سے بہت سے لوگ متعدد عمدہ صفات منسوب کرتے ہیں۔ مے، اپنے ہمسایہ دار کی مانند میں خدا سے محبت کرتا ہوں۔ زندگی سے اور انسانیت سے محبت کرتا ہوں اور آج تک تقدیر نے مجھ سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں کروایا، کہ جسے کرتے ہوئے میرا ہمسایہ دار شرمندگی محسوس کرے۔

پہلے جب میں نے تمہیں خط لکھا تو یہ تم پر میرے اعتماد کا ایک اظہار تھا، لیکن جب تم نے مجھے اپنا جواب بھیجا تو یہ تمہارے شک کا اظہار تھا۔ میں نے خود کو تمہیں خط لکھنے پر مجبور محسوس کیا لیکن تم بڑی احتیاط کے ساتھ جواب دیتی رہی۔ میں تمہیں ایک عجیب سچائی کے بارے میں بتاتا لیکن جواب میں تم نے بڑی خوش خلقی سے لکھا "بہت خوب، شریر لڑکے، تمہاری غنائی نظمیں، کتنی حیرت انگیز ہیں"۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے کسی روایتی انداز کو نہیں اپنایا۔ نہ میں نے کبھی روایتی ڈھانچوں کو مانا ہے اور نہ کبھی مانوں گا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری احتیاط پسندی اس بات کے ہو جانے کے خوف کے باعث تھی، جو بعد ازاں ہوئی اور میری روحانی اذیت کا سبب یہ تھا کہ میں اس بات کا قیاس نہیں کر سکتا تھا، جو ہو سکتا تھا۔ اگر میں، مے کے علاوہ کسی سے ہم کلام ہوتا تو ضرور آنے والے واقعات کا ادراک کر لیتا لیکن کیا میں، مے کے سوا کسی دوسرے پر حقیقت کا انکشاف کر سکتا تھا؟ یہ عجیب

بات ہے کہ مجھے اس بات پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ مجھے کوئی ندامت نہیں ہے بلکہ میں اپنے اندر کے سچ پر زیادہ پر اعتماد ہوگیا ہوں اور اسے تم پر منکشف کرنے کی زیادہ خواہش محسوس کرتا ہوں۔ اسی لیے میں بے تکلفی کے ساتھ خط نہیں لکھتا لیکن ہر بار مجھے ایک رسمی جواب ملتا۔ میں جانتا تھا کہ ہر جواب "مے" کے علاوہ کوئی لکھتا تھا۔ مجھے وہ رسمی جواب "مے" کی سیکرٹری کی طرف سے موصول ہوتے جو ایک ذہین جوان عورت ہے اور قاہرہ (مصر) میں رہتی ہے۔ میں چلاتا اور سرگوشی میں احترام کے ساتھ کچھ کہتا۔ مجھے جواب ملتا۔۔۔ ہاں مجھے جواب ملتا تھا لیکن اس کی طرف سے نہیں' جس میں میں رہتا تھا اور جو مجھ میں رہتی تھی۔ بلکہ ایک ایسی عورت کا جواب جو محتاط اور مایوس عورت ہے اور جو اس طرح سوال جواب کرتی جیسے میں کوئی ملزم ہوں اور وہ الزام کنندہ۔

کیا میں تم سے ناراض ہوں؟ بالکل نہیں۔ میں تو تمہاری سیکرٹری سے ناراض ہوں۔ کیا میں نے انصاف کے ساتھ یا بے انصافی سے تمہارے متعلق کوئی رائے دی ہے؟

بالکل نہیں۔ میں نے تمہارے بارے میں کبھی رائے نہیں دی۔ میرا دل کبھی گوارا نہیں کرے گا اور نہ کر سکتا ہے کہ میں تمہیں تجزیے کے لیے کٹہرے میں کھڑا کروں۔ مے' ہم جس بات میں شراکت دار ہیں' اس کے سامنے کسی عدالت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن جہاں تک تمہاری سیکرٹری کا تعلق ہے' اس کے متعلق میری ایک رائے ہے۔ جب کبھی میں اور تم دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں' وہ آن کر ہمارے سامنے بیٹھ جاتی ہے۔ اس انداز سے گویا وہ کسی سیاسی اجلاس میں ہونے والی گفتگو کے نکات لکھنے بیٹھی ہو۔ میں تم سے پوچھتا ہوں میری دوست میں تم سے پوچھتا ہوں' کیا واقعی ہمیں تمہاری سیکرٹری کی ضرورت ہے؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر میں بھی اپنے سیکرٹری کو بلاؤں گا کیونکہ مجھے بھی مستعد ہونے کی ضرورت ہے۔ کیا تم پسند کرو گی کہ میرا سیکرٹری بھی وہاں موجود ہو؟

دیکھو مے' دو پہاڑ ہیں جن پر بچے سورج کی شعاؤں تک پہنچنے کے لیے چڑھ

رہے ہیں اور وہاں اوپر چار لوگ ہیں۔ ایک عورت اور اس کی سیکرٹری اور ایک مرد اور اس کا سیکرٹری۔ یہاں دو بچے ہیں جو خدا کی منشاء کے مطابق ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے خدا ہی کی طے کردہ منزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ جب کہ وہاں چار لوگ ایک دفتر میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ آپس میں بحث کر رہے ہیں۔ بار بار اٹھ کھڑے ہوتے ہیں پھر بیٹھ جاتے ہیں اور اس طرح ہر شخص یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ جو درست یا غلط سمجھتا ہے' وہی حقیقت ہے۔ جب کہ دوسرا جو غلط یا درست ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے' وہ حقیقت نہیں ہے۔ جب کہ ان چار لوگوں کے مقابلے میں یہاں صرف دو بچے ہیں۔ تمہارا دل کس طرف جانے کو کہے گا؟ مجھے بتاؤ' کس طرف؟

کاش تم جان سکو کہ اس غیر ضروری غلط فہمی کے سبب میں کس قدر اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ کاش تم جان سکو کہ میں کتنا سادگی پسند ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم جان لو کہ مجھے "مطلق" کی کس قدر خواہش ہے۔ "نور جیسا مطلق" مطلق جو طوفان میں ہے' جو صلیب پر ہے' مطلق جو روتا ہے' لیکن وہ اپنے آنسو چھپا نہیں سکتا اور مطلق جو ہنستا ہے اور جو اس کی ہنسی سے پریشان نہیں ہوتا۔ میری خواہش ہے کہ تم جان سکو۔ کاش تم یہ سب کچھ جان سکو۔

"اس رات میں کیا کرنا چاہوں گا؟"

یہ رات کا وقت نہیں ہے۔ صبح کے دو بجے ہیں۔ اس وقت تم میرے ساتھ کہاں جانا پسند کرو گی؟ بہتر ہے کہ ہم یہیں ٹھہریں۔ یہاں اسی سناٹے میں۔ یہاں ہم اپنی خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہر خواہش ہمیں خدا کے دل کے قریب لے جائے گی۔ یہاں ہم انسانیت سے اپنی محبت کا اظہار کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسانیت ہمارے لیے اپنے دل کو کھول دے۔

نیند نے تمہاری آنکھوں پر بوسہ دیا ہے۔ اس سے انکار مت کرو کہ نیند نے تمہاری آنکھوں پر بوسہ دیا ہے۔ میں نے اسے انہیں چومتے دیکھا ہے۔ میں نے اسے اس طرح سے' اسی انداز سے' انہیں چومتے دیکھا ہے۔ سو اپنا سر یہاں رکھو' اس

شانے پر اور سو جاؤ' سو جاؤ میری ننھی دوشیزہ' سو جاؤ' کیونکہ تم اپنے وطن میں اپنے گھر میں ہو۔

جب کہ دوسری طرف میں جاگتا رہوں گا۔ میں اپنے آپ میں جاگتا رہوں گا۔ مجھے صبح تک اس شب بیداری کو برقرار رکھنا ہے۔ میں اسی لیے پیدا ہوا ہوں کہ شب بیداری کو صبح تک برقرار رکھوں۔ خدا تمہاری حفاظت کرے۔ خدا میری شب بیداری پر اپنا کرم کرے۔ خدا ہمیشہ تمہارا حافظ و ناصر رہے۔

جبران

بوسٹن

۳۰ر نومبر ۱۹۲۳ء

مے!

مے، ذرا سوچو مائیکل انجلو کتنا عظیم انسان تھا۔ یہ آدمی جس نے سنگ مرمر سے رفیع الشان شاہکار تخلیق کیے ہیں، دراصل اپنی ذات میں بہت پیارا اور نفیس تھا۔ مائیکل انجلو کی تمام زندگی اس حقیقت کی کیسی عمدہ مثال پیش کرتی ہے کہ حقیقی طاقت شائستگی کی بیٹی ہے اور نرم رویہ اصلی استقلال کی اولاد ہے۔ شب بخیر میری خوبصورت چہرے والی دوشیزہ!

جبران

بوسٹن

۸ر نومبر ۱۹۲۳ء

مے!

مجھے بتاؤ، کیا تم نے اپنی تمام زندگی میں ان دو چہروں سے زیادہ کوئی خوبصورت شے دیکھی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ یہ چہرے عظیم یونانی فن کا انتہائی ارفع اظہار ہیں۔ جب کبھی میں بوسٹن کے شہر میں آتا ہوں، میں اس کے عجائب گھر ضرور جاتا ہوں۔ پھر سیدھا "یونانی عجائبات کے کمرے" کی طرف بڑھتا ہوں اور گھنٹہ بھر وہاں بیٹھ کر ان دونوں چہرہ کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ پھر میں دائیں یا بائیں کوئی نظر پھرائے بغیر سیدھا واپس لوٹ آتا ہوں۔ اس لیے کہ اس الہامی خوبصورتی کا جو تاثر میرے ذہن میں ہے، وہ اردگرد کے منظر سے کہیں زائل نہ ہو جائے۔

صبح بخیر، اے خوبصورت اور پیارے چہرے والی دوشیزہ۔

جبران

نیو یارک

اتوار کی رات' دس بجے کا وقت

۲ر دسمبر ۱۹۲۳ء

مے'

ہمارا آج کا دن ہیجان خیز انداز میں مصروف گزرا ہے۔ صبح نو بجے سے اس وقت تک ہم لوگوں کو مسلسل خداحافظ کہتے رہے ہیں اور پھر فوراً نئے آنے والوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے واپس مڑ جاتے۔ لیکن اس تمام دوران میں لحہ لحہ اپنی رفیقہ کی طرف دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا "میں خدا کا ہزار شکر ادا کرتا ہوں' میں اس کی حمد گاتا ہوں کہ ہم ایک بار پھر اپنے جنگل میں مل پائے ہیں اور ہماری جیبوں میں ایک کتاب یا سکیچ بنانے کے لیے کاغذوں کے دستے کی بجائے روٹی کا ایک ٹکڑا ہے۔ میں خدا کا شکرگزار اور ثناخواں ہوں کہ ہم اپنے لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لیے پھر سے لوٹ آئے ہیں۔ میں خدا کا شکرگزار اور حمد سرا ہوں۔ کیونکہ پیاری حضرت مریم علیہ السلام مجھے خاموشی میں سنتی ہیں اور وہ میری فریفتگی کو محسوس کرتی ہیں۔ جیسے میں ان کی شفقت کو محسوس کرتا ہوں۔

میں نے دن میں اور اس تمام عرصہ میں خدا کا شکر ادا کیا اور اس کی ثناخوانی کی ہے۔ کیونکہ اس تمام عرصہ میں میری زبان میں "مے" بولتی رہی ہے۔ اس نے مجھے اپنا ہاتھ تھمایا اور میں وہی ہاتھ دوسروں کی طرف بڑھا دیتا۔ تمام دن میں اسی کی آنکھوں سے دیکھتا رہا ہوں۔ اسی سے ہر کسی کے چہرے پر اپنائیت محسوس کرتا اور مے کے کانوں سے سنتے ہوئے ہر کسی کی آواز میں مٹھاس محسوس کرتا رہا۔

تم نے میری صحت کے بارے میں پوچھا ہے اور جب تم نے ایسا پوچھا تو میری تمام ہستی محبت سے بھری ایک ماں کی جون میں ڈھل گئی۔ میری صحت بہترین ہے۔ وہ عارضہ جس کا میں تم سے ذکر کیا تھا' مجھے فراموش کر چکا ہے اور ان بھوری دھاریوں کے باوجود جو اس عارضہ نے میری کنپٹیوں کے قریب بالوں میں ڈال دی ہیں۔ میں خود کو مضبوط اور ہشاش بشاش محسوس کرتا ہوں۔ عجیب بات یہ ہے کہ میں نے خود کو کسی مدد کے بغیر صحت یاب کیا ہے۔ میں نے عملی اور حتمی اقدامات کیے' مجھے یقین تھا کہ ڈاکٹر صاحبان دراصل ایسے خواب دیکھنے والے ہیں جو شک اور قیاس کی وادیوں میں گم ہو چکے ہیں۔ ان کی زیادہ دلچسپی اس امر میں ہے کہ وہ اثرات کا مشاہدہ کریں اور پھر سارا علاج دواؤں سے کرتے ہیں۔ جب کہ اصل اسباب پر وہ معمولی سی توجہ بھی صرف نہیں کرتے' لیکن گھر کے بارے میں زیادہ بہتر اس گھر کا مالک ہی جان سکتا ہے۔ میں سمندر تک گیا' جنگلوں میں گیا اور بغیر کسی مداخلت کے وہاں چھ طویل مہینے گزارے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام اسباب اور اثرات ختم ہو گئے۔

تم کیا کہتی ہو' کیوں نہ ہم جدید طب پر ایک کتاب لکھیں؟ کیا تم اس کی تصنیف میں میرے ساتھ شریک ہو گی؟

ہمیں ایک ایسا مسئلہ درپیش ہے جس پر ہمیں گفتگو کرنی چاہیے۔ تمہیں ضرور یاد ہو گا کہ چند ہفتے قبل تم نے مجھ پر ایک بہت بڑا راز افشاء کیا تھا۔ تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ تم نے چند شرطیں عائد کی تھیں' جن کو تسلیم کیے بغیر مجھ پر وہ راز افشاء نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ میں نے ان شرطوں کو جانے بغیر ہی ان کو ماننے کی حامی بھر لی تھی۔ آخر وہ شرطیں کیا ہیں؟ اے پیاری عورت' تمہاری نوازش ہو گی۔ مجھے بتاؤ وہ شرطیں کیا ہیں؟ میں وہ سب پوری کروں گا۔ تم نے اپنے خیالات مجھ پر منکشف کرنے میں بڑی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم خود بھی ان شرائط کو بیان کرنے کے لیے بے تاب ہو گی۔ تمہاری نوازش ہو گی کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟ تمہیں کس قسم کی ضمانت اور تحفظ کی خواہش تھی؟ شرطیں تو شرطیں ہی ہوتی ہیں' جو پہلے سے مفتوح ہو چکا ہو' اسے ان کو قبول کر لینا

اور ان کا احترام کرنا چاہیے۔ جرمنی کے دریائے رہر کا مسئلہ اس پوری دنیا کے لیے کافی ہے۔

لیکن تم سے اس حقیقت کو نہیں چھپاؤں گا کہ تمہاری شرطیں پوری کرنے کے بعد میں اپنی ٹھوڑی پر موجود گڑھے' جعلی گڑھے پر غور کروں گا جو بہت مضحکہ خیز دکھائی دیتا ہے۔ کیا تم سوچتی ہو کہ میں اپنی ٹھوڑی سے متعلق کسی بات پر جو اس کی عمدہ ساخت کو مضحک بناتی ہے' غور و فکر کرنے پر آمادہ ہوں گا؟ کبھی نہیں۔

میں اس چالاک گڑھے کو' جو اپنے گرد ماحول کو مضحک بنا دیتا ہے' ڈھانپ دوں گا۔ یہ گڑھا اپنے ہٹیلے پن اور کینہ پروری میں بہت نمایاں ہے۔ میں اسے ایک دراز اور گہری داڑھی میں دفن کر دوں گا۔ میں اسے بالوں کے اس حصے سے ڈھانپ دوں گا' جو بھورا ہوچکا ہے اور اسے اپنے بالوں کے اس حصے کے کفن میں بند کروں گا' جو سیاہ رنگت کا باقی بچا ہے۔ میں اس ناہنجار گڑھے سے انتقام لوں گا۔ کیونکہ یہ نہیں جانتا کہ یہ ایسے مرد کو اذیت دیتا ہے جس کا غصہ تمام انسانوں کے غصے کو بھڑکا سکتا ہے اور جس کی مسکراہٹ تمام انسانوں کو متبسم کر سکتی ہے۔

کل ہم اپنی اس گفتگو کو پھر سے شروع کریں گے' لیکن اس وقت چلو' اوپر چھت پر چلیں اور ستاروں کو دیکھیں۔ میری ننھی محبوبہ! مجھے بتاؤ کیا رات انسان کے دل سے زیادہ گہری اور حیران کن ہے؟ کیا یہ کہکشائیں انسان کے دل کے اندر موجود نظاروں سے زیادہ متاثر کن اور خوبصورت ہیں؟ کیا اس رات اور ان ستاروں میں کوئی ایک شے اتنی مقدس ہے' جتنا خدا کے ہاتھ میں بھڑکتا ہوا سفید شعلہ ہے؟

(دستخط نہیں کیے گئے)

نیویارک

۱ دسمبر ۱۹۲۳ء

مے'

تمہارے خط نے میرے دل کو کتنی راحت پہنچائی ہے۔ جان من' اس نے میرے دل کو کتنی راحت پہنچائی ہے۔ پانچ روز قبل میں مضافات میں گیا۔ یہ پانچ دن میں نے وہاں اپنے محبوب موسم خزاں کو الوداع کہتے ہوئے گزارے ہیں۔ دو گھنٹے پہلے ہی میں اس وادی میں پہنچا ہوں۔ میں یخ اور پژمردہ تھا کیونکہ میں نے یہ سفر جو ناز دتھ سے بشری تک فاصلے سے بھی زیادہ فاصلے پر محیط تھا' ایک تقلیب پذیر کار میں طے کیا---- لیکن---- میں خطوں کے ڈھیر پر پڑے تمہارے خط کو پڑھنے کے لیے لوٹا ہوں۔ تم جانتی ہو کہ جب میں اپنی ننھی محبوبہ کا خط پاتا ہوں تو باقی تمام ڈاک میری نظروں کے سامنے سے یکسر غائب ہو جاتی ہے۔ میں بیٹھ گیا اور اسے پڑھا۔ اور اس سے حرارت حاصل کی۔ تب میں نے اپنا لباس تبدیل کیا اور دوسری مرتبہ اسے پڑھا۔ پھر تیسری مرتبہ پڑھا اور پھر باقی ہر شے کی استثناء کے ساتھ میں اسے بار بار پڑھتا گیا۔ جان من! میں الہامی شراب کو کسی دوسرے شربت سے کیسے خلط ملط کر سکتا ہوں؟

اس لمحہ تم میرے پاس ہو۔ تم میرے پاس ہو۔ جان من' تم یہیں کہیں ہو' یہیں۔ اور میں تم سے مخاطب ہوں۔ میں تم سے ایسی زبان میں مخاطب ہوں جو الفاظ کی زبان سے کہیں رفیع ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے سن رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کو واضح طور پر اور صاف صاف سمجھ رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم اس رات خدا کے تخت سے اس قدر نزدیک ہیں جتنے پہلے کبھی نہیں تھے۔

میں خدا کی حمد گاتا ہوں اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خدا کی حمد گاتا اور اس کا شکرگزار ہوں کہ ایک بیگانہ اپنے گھر لوٹا ہے اور مسافر اپنے ماں باپ کے آشیانے پر پہنچا ہے۔

اس لمحہ ایک بڑا شاندار خیال' ایک انتہائی شاندا خیال میرے ذہن میں کوندا ہے۔ سنو! میری جانم۔ اگر ہم یونہی لڑتے رہیں (یعنی اگر لڑنا ناگزیر ہوا) تو مختلف سمتوں میں نہ چل دیں کہ جیسا ہم ماضی میں اپنے ہر جھگڑے کے بعد کرتے تھے' بلکہ اپنے اختلافات کے باوجود ہمیں ایک ہی چھت کے نیچے رہنا چاہیے۔ حتیٰ کہ ہم لڑائی بھڑائی سے اکتا جائیں اور ہنسنا شروع کر دیں۔ یا پھر لڑائی جھگڑا خود ہی ہم سے بے زار ہو جائے۔ اور ہمارے سر کی معمولی سی جنبش کے ساتھ ہی ہمیں چھوڑ جائے۔

اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

سو ہم لڑتے ہیں جتنا کہ ہم لڑنا چاہتے ہیں یا جس حد تک لڑا جا سکتا ہے۔ تم احدین میں سے ہو اور میں بشری سے' چنانچہ ہمارے بیچ جھگڑا بالکل روایتی ہے۔ تاہم یہ مسئلہ نہیں ہے کہ آئندہ دنوں میں کیا ہوگا؟ ہم ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھتے رہیں گے' تاآنکہ تمام بادل درمیان میں سے چھٹ جائیں اور اگر تمہاری یا میری سیکرٹری جو ہمارے جھگڑوں کے اصل سبب ہیں اندر کمرے میں آئیں تو ہم ان سے باہر جانے کی درخواست کریں گے لیکن شتابی سے-----

میرے تمام دوستوں میں تم میری روح کے زیادہ قریب ہو اور میرے دل کے بھی----- ہماری روحیں اور قلوب کبھی آپس میں نہیں جھگڑے جبکہ خیال تو اخذ کیا جاتا ہے۔ ہمارے گردوپیش سے' اس منظر سے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس مواد سے جو ہر گزرنے والا دن ہمیں دے جاتا ہے' لیکن روح اور دل نے ہمارے اندر ہمارے خیالات کی آفرینش سے بہت پہلے ایک اعلیٰ تر جوہر ترکیب دیا ہے۔ خیال کا وظیفہ منظم کرنا اور ترتیب دینا ہے' یہ ہماری سماجی زندگیوں کے لیے ضروری ہے اور ایک سودمند عمل ہے۔ لیکن روح اور دل کی زندگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ "اگر ہم اس کے بعد بھی لڑے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں

الگ الگ راستوں پر نہیں چل دینا چاہیے"۔ ہو سکتا ہے کہ خیال' جو اس تمام جھگڑے کی وجہ بھی ہے' ایسی ہی بات کہے لیکن وہ محبت کے بارے میں ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکتا' نہ ہی یہ لفظوں کے پلڑے پر روح کو تول سکتا ہے اور نہ ہی منطق کے باٹوں سے یہ دل کا وزن کر سکتا ہے۔

میں اپنی دوشیزہ سے محبت کرتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں اس سے کیوں محبت کرتا ہوں۔ میں ذہنی طور پر یہ جاننا بھی نہیں چاہتا۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں' میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس سے اپنی روح اور قلب کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ جب میں اداس اور تنہا ہوتا ہوں تو میں اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دوں۔ یا جب میں مسرور اور حیرت سے بھرا ہوتا ہوں تو اس کے شانے کا سہارا لوں۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں پہاڑ کی چوٹی تک اس کے پہلو میں چلتا ہوا پہنچوں اور بار بار اسے کہتا رہوں "تم میری ساتھی ہو' تم میری ساتھی ہو"۔

سب مجھ سے کہتے ہیں' مے' کہ میں لوگوں سے محبت کرتا ہوں۔ اور کچھ لوگ اسی بات پر مجھ سے نالاں ہیں۔ ہاں۔ میں تمام لوگوں سے پیار کرتا ہوں۔ میں انہیں کسی امتیاز یا ترجیح کے بغیر پورے طور پر محبت کرتا ہوں۔ میں انہیں ایک اکائی کے طور پر پیار کرتا ہوں۔ میں انہیں پیار کرتا ہوں کیونکہ ان میں خدا کی روح ہے۔ لیکن ہر دل کا ایک مخصوص قبلہ ہوتا ہے' ہر دل کی ایک خاص سمت ہوتی ہے' جس طرف وہ اس وقت رخ کرتا ہے جب وہ تنہا ہو۔ ہر دل کا ایک آستانہ ہوتا ہے' جدھر وہ تسکین اور آسودگی پانے کی خاطر راجع ہوتا ہے۔ ہر دل ایک دوسرے دل سے ملاپ کی خواہش کرتا ہے تاکہ اس سے مل کر وہ زندگی کی راحتوں کا لطف اٹھائے' سکون پائے یا زندگی کے آرام سے مکت ہو سکے۔

سالہا سال سے میں نے محسوس کیا ہے کہ میں نے وہ سمت پا لی ہے جدھر میرا دل رخ کرتا ہے۔ میرا یہ احساس ایک حقیقت ہے' ایک سادہ' صاف اور خوبصورت حقیقت۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے سینٹ تھامس کے خلاف بغاوت کی' جس نے شکوک

و شبہات کے تحت مجھ سے ملاقات کی۔ میں سینٹ تھامس اور اس کے شک بھرے سوالات کے خلاف بغاوت کروں گا تاکہ وہ ہمیں ہماری بہشت نما خلوت میں تنہا رہنے دے اور خدا کے دیئے ہوئے عقیدے کا تلذذ اٹھانے دے۔

رات بہت بیت چکی ہے۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا بہت کم حصہ ہی کہہ پائے ہیں۔ شاید یہ بہتر ہے کہ ہم صبح تک یونہی خاموشی کی زبان میں بولتے رہیں' صبح میری ننھی محبوبہ میری متعدد تحریروں کے سامنے میرے پہلو میں کھڑی ہوگی۔ اس کے بعد' جب دن اور اس کی تمام ابتلائیں گزر جائیں گی' تو ہم واپس آئیں گے' آتشدان کے پاس بیٹھیں گے اور گفتگو کریں گے۔

اب اپنی پیشانی میرے قریب لاؤ۔ ہاں اس طرح--- خدا تم پر اپنی رحمت کرے' خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔

جبران

نیویارک

۳؍ دسمبر ۱۹۲۳ء (آدھی رات کا وقت)

جانم!

"پیغمبر" پر تمہارے تبصرے کے متعلق میں کیا لکھوں۔ مجھے تم سے کیا کہنا چاہیے؟ یہ کتاب اس سارے منظرنامے کا بہت مختصر حصہ ہے جو میں دیکھ چکا ہوں اور جو میں روزانہ دیکھتا ہوں۔ ان تمام باتوں کا ایک قلیل حصہ ہے جو انسانوں کے خاموش دلوں اور ان کی روحوں میں اپنے اظہار کے لیے بے تاب ہیں۔ اس زمین کے پردے پر کبھی کوئی ایسا شخص موجود ہو' ایک ایسا انسان جو دیگر انسانی معاشرے سے مکمل کٹا ہوا ہو۔ نہ ہی ہمارے بیچ کوئی ایسا فرد موجود ہے جو لوگوں کی باتوں کو' جو وہ بے ارادہ ہی کہے جاتے ہیں' درج کر لینے سے بڑھ کر کوئی کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہے' ہے' "پیغمبر" ایک لفظ کا اولین حصہ ہے۔ ماضی میں اس غلط فہمی کا شکار رہا کہ یہ میرا اپنا لفظ ہے۔ یہ میرے اندر موجود ہے اور میں ہی اس کا ماخذ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ میں ہمیشہ اس کا دوسرا حصہ جاننے سے قاصر رہا۔ میری یہ نہ جاننے کا عیب ہی دراصل میری بیماری کی اصل وجہ تھی اور میری روح کے کرب اور اذیت کی بھی--- بعد ازاں خدا نے چاہا کہ وہ میری آنکھوں پر پڑے پردے کو ہٹائے تاکہ میں روشنی کو دیکھ سکوں۔ اور خدا نے چاہا کہ میرے کان سننے کے قابل ہو جائیں تاکہ میں سن سکوں کہ دوسرے انسان اس لفظ کا دوسرا حصہ ادا کر رہے ہیں۔ اور خدا نے چاہا کہ میرے ہونٹ وا ہوں تاکہ میں یہ لفظ خود ادا کر سکوں۔ میں نے مسرت اور انبساط کے ساتھ اس لفظ کو دہرایا۔ اور پہلی بار یہ جان پایا کہ دوسرے لوگ ہی سب کچھ ہیں اور

میں اپنی جدا ذات کے ساتھ کچھ بھی نہیں۔ تمہارے سوا کوئی دوسرا یہ نہیں جانتا کہ اس احساس نے مجھے کس قدر آزادی' تسکین اور طمانت عطا کی۔ اور تمہارے سوا کوئی دوسرا اس شخص کے احساسات کو بہتر طور پر نہیں جان سکتا' جسے اپنی محدود ذات کی اسیری سے نجات ملی ہو۔

اور تم' اے' میری پختہ ذہن ننھی دوشیزہ' میری مدد کرو اور مجھ سے اس لفظ کا دوسرا حصہ سنو۔ اسے کہنے میں تم میری اعانت کرو گی' اور تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گی۔

اپنی پیشانی میرے نزدیک لاؤ' مریم' اسے اور نزدیک لاؤ۔ میرے دل میں ایک سفید پھول ہے جسے میں تمہاری پیشانی پر سجانا چاہتا ہوں۔ محبت کتنی دلنشین معلوم ہوتی ہے جب یہ کپکپاتی ہوئی' شرمائی ہوئی خود اپنے ہی سامنے آن کھڑی ہوتی ہے۔

خدا تم پر اپنی رحمت کرے۔ خدا میری ننھی محبوبہ کی حفاظت کرے۔ خدا اس کے دل کو فرشتوں کے گیتوں سے بھر دے۔

جبران

نیویارک

۳۱ر دسمبر ۱۹۲۳ء

مے'

گزشتہ موسم گرما میں جب میں اس وادی میں آیا تو مجھے شمالی لبنان کی وادیاں یاد آئیں۔

نہیں' نہیں' مے' میں موسم سرما کی وادیوں سے محبت کرتا ہوں۔ جب ہم آتشدان کے قریب بیٹھے ہوں' گھر میں جلتے ہوئے سدابہار صنوبر کی مہک بھری ہو اور باہر برف گر رہی ہو' ہوا اسے اڑا رہی ہو' برف کے گالے کھڑکی کے شیشے کے باہر جھول رہے ہوں' اور دور سے دریا کی آواز اور سفید طوفان کا شور ایک ساتھ ہمارے کانوں تک پہنچ رہا ہو۔

لیکن اگر میری ننھی محبوبہ میرے قریب موجود نہیں ہے' تو پھر کسی وادی کا حسن باقی نہیں رہتا۔ برف' صنوبر کی شاخ کی مہک' برف کی بلوریں قلمیں' دریا کا گیت' خوبصورت طوفان' کچھ باقی نہیں رہتا' اگر میری محبوبہ ان سے اور مجھ سے دور ہے' تو پھر ان سب نظاروں سے کہو کہ دور چلے جائیں۔

یہ رات اس محبوب کے حسین چہرے کے نام۔

جبران

پس نوشت: ماضی میں مجھے اخبارات کے تراشوں کو محفوظ رکھنے والے

ادارے سے ایسے تراشے موصول ہوتے تھے، لیکن گزشتہ برس میں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا، میں اخبارات سے بے زار ہو گیا تھا۔ اس بے زاری میں کچھ روحانی بے خودی کا دخل تھا، سو، مجھے معاف کر دو۔ میں اخبارات کے تراشے پھر سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

بوسٹن

۱۷/ جنوری ۱۹۲۴ء

مے،

ابتدائی برسوں میں، میں کہا کرتا تھا کہ چاونیز، ڈیلیکرو لیکس اور کاریر کے بعد سب سے بڑا فرانسیسی مصور ہے، لیکن اب جبکہ میں عمر کی شام کو پہنچ چکا ہوں، میں کہتا ہوں، ڈی چاونیز بلامبالغہ انیسویں صدی کا عظیم ترین مصور ہے، کیونکہ باقی تمام مصوروں کی نسبت وہ ایک سادہ ترین دل، سادہ ترین فکر، اظہار کا سادہ ترین اسلوب، اور خالص ترین خواہشات رکھتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ مصوروں کے درمیان وہ اسی حیثیت کا حامل ہے، جو حیثیت فلاسفہ کے بیچ سپی نوزا کو حاصل ہے۔

جب میں نوجوان تھا، تو میں بوسٹن پبلک لائبریری میں جایا کرتا اور اس کی تصویروں کے سامنے متحیر کھڑا رہتا تھا۔ آج میں پھر بوسٹن میں ہوں، اور لائبریری بھی گیا۔ میں انہی تصویروں کے سامنے جا کھڑا ہوا جبکہ میری پیاری مریم میرے پہلو میں تھی، مجھے ان میں وہ خوبصورتی دکھائی دی جو ماضی کے برسوں میں، میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ اگر میری مریم میرے ساتھ نہ ہو تو مجھے کچھ دکھائی نہ دے، کیونکہ نور کے بغیر آنکھ محض ایک خالی گڑھا ہے، نہ اس سے کم، اور نہ اس سے زیادہ۔۔۔

کیا تم اپنی دلکش پیشانی میرے قریب نہیں لاؤ گی؟ اس طرح۔۔۔ ہاں اس طرح۔۔۔ خدا اپنا نور اس پیشانی میں بھر دے۔۔۔ آمین۔

جبران

نیویارک

۲۶ر فروری ۱۹۲۴ء

مے'

آج ہمیں ایک بڑے برفانی طوفان کا سامنا ہے۔ مے' کیا تم جانتی ہو میں طوفانوں سے کس قدر محبت کرتا ہوں' خاص طور پر برفانی طوفانوں سے' مجھے برف سے محبت ہے' مجھے اس کی سپیدی سے محبت ہے' جہاں برف کے گولے سورج کی روشنی میں تھتھراتے ہیں۔ کچھ دیر ٹمٹماتے ہیں' پھر پگھلتے ہیں اور خاموشی سے دور بہتے چلے جاتے ہیں' جیسے وہ سب کوئی گیت گنگنا رہے ہوں۔

مجھے برف اور آگ سے محبت ہے' دونوں کا منبع ایک ہی ہے۔ لیکن ان کے لیے میری محبت ایک ارفع محبت کے لیے آمادگی کا اظہار ہے' ایک زیادہ پھیلی ہوئی اور اعلیٰ تر محبت۔

یہ الفاظ کیا خوب ہیں:

مے' آج ہم تمہاری سالگرہ منائیں گے۔

اور تمہاری ذات میں ہم زندگی کا جشن منائیں گے۔

اس عربی شعر میں اور اس شعر میں کیا فرق ہے' جو حال ہی میں مجھے ایک امریکی شاعر نے بھیجا ہے۔

تمہاری عزت افزائی اور انعام یہی ہے۔

کہ تمہیں مصلوب کر دیا جائے گا۔

اس میں کیا پریشانی کی بات ہے' جس بات کی مجھے فکر ہے وہ یہی ہے کہ میں

اپنے انجام سے پہلے پہلے اس عزت اور انعام کو حاصل کر لوں۔

ہم پھر سے تمہاری سالگرہ کے موضوع پر بات کرتے ہیں۔ میں جاننا چاہوں گا کہ سال کے کس دن میری ننھی محبوبہ پیدا ہوئی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے سالگرہ کا دن، اور اس کے حوالے سے ہونے والی تقریبات پسند ہیں، لیکن مے کی سالگرہ تو ان سب میں افضل ہے۔ تم مجھے بتاؤ گی "جبران، ہر دن میری سالگرہ کا دن ہے"۔ اور میں جواب دوں گا "ہاں، میں ہر روز تمہاری سالگرہ کا جشن مناؤں گا، لیکن پھر بھی سال بھر میں کوئی ایک خاص دن سالگرہ کی خاص تقریب کا ہونا چاہیے"۔

مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے بتایا، میری ڈاڑھی میری ذات کا حصہ معلوم نہیں ہوتی، میں تمہاری بات کو اپنے دل کی سیج پر سجا کر رکھوں گا، خدا تمہیں ہر آفت سے محفوظ رکھے اور تمہاری باتوں کی مٹھاس کو اور بڑھائے، آمین۔

جبران

نیویارک

۹ر دسمبر ۱۹۲۴ء

جانم'

میری ننھی محبوبہ کتنی پیاری ہے' جو ہر روز اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھتی ہے' کتنی دلنشین ہے وہ' کتنا عظیم اس کا دل ہے' اور کتنی خوبصورت اس کی روح ہے۔

لیکن میری محبوبہ کی خاموشی کتنی عجیب ہے۔ یہ خاموشی کتنی عجیب ہے۔ یہ خاموشی تو ابدیت کی طرح طویل ہے' اور دیوتاؤں کے خوابوں کی طرح گہری۔ یہ ایسی خاموشی ہے جسے کوئی فانی زبان بیان نہیں کر سکتی۔ کیا تم بھول گئی کہ جب خط لکھنے کی تمہاری باری تھی تو تم نے ایسا نہیں کیا؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ ہم نے ایک معاہدہ کیا تھا کہ ہم شانتی اور ملاپ کو ممکن بنائیں گے؟ جیسے رات زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

تم نے میری صحت' اور میرے خیالات اور میرے دیگر معاملات کے متعلق استفسار کیا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ میں کیسا ہوں؟ تو میں بالکل ویسا ہوں جیسی تم ہو میری جان بہار۔ جہاں تک میرے خیالات کا تعلق ہے تو یہ ہمیشہ کی طرح گزشتہ ہزار سال سے' جب سے میں اور تم ملے ہیں' دھند میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جہاں تک میرے دیگر معاملات کا تعلق ہے جو آج کل مجھے درپیش ہیں' تو وہ سب منتشر اور الجھاؤ کا شکار ہیں۔ لیکن وہ چاہے مجھے گوارا ہوں یا نہ ہوں' بہرحال مجھے ان کو حل کرنا ہوگا۔

مریم' زندگی ایک خوشنما گیت ہے۔ ہم میں سے کچھ اس کا ایک ہی سر سن پاتے ہیں جبکہ دوسرے ایک سریلی دھن کو شکل دیتے ہیں۔ مریم' مجھے یوں لگتا ہے کہ

میں نہ اس کے سر نہ پاؤں گا اور نہ اس کی دھن۔۔۔ مجھے اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ میں ہنوز ایک دھند میں ہوں۔ جس نے ہزار برس قبل ہم دونوں کا سنجوگ کروایا تھا۔

ان باتوں کے باوجود میں زیادہ تر وقت مصوری میں صرف کرتا ہوں۔ کبھی کبھار میں دور مضافات میں کسی قصبے میں فرار ہو جاتا ہوں۔ تب ایک چھوٹی کاپی میری جیب میں رہتی ہے۔ کسی روز میں تمہیں اس کاپی کا کچھ حصہ بھیجوں گا۔

یہ وہ سب کچھ ہے جو میں اپنے بارے میں جانتا ہوں۔ کیوں نہ پھر سے وہی بات کریں جو سب سے اہم ہے۔ کیوں نہ میں اپنی محبوبہ کی بات کروں۔ تم کیسی ہو اور تمہاری آنکھیں کیسی ہیں؟ کیا تم قاہرہ میں ویسے ہی خوش ہو جیسے میں نیویارک میں ہوں؟ کیا تم اپنے کمرے میں آدھی رات کے بعد چکر کاٹتی ہو؟ کیا تم اپنی کھڑکی میں کھڑی ہو جاتی ہو اور آسمان پر ادھر ادھر ستاروں کو دیکھتی ہو؟ تو کیا اس کے بعد تم اپنے بستر میں لیٹ جاتی ہو؟ کیا تم ان مسکراہٹوں کو خشک کر لیتی ہو' جو لحاف میں تمہاری آنکھوں میں پرنم رہتی ہیں؟

میں تمام رات اور تمام دن تمہارے بارے میں ہی سوچتا ہوں' جانم۔ ہمیشہ تمہارے بارے میں۔ اور ایسے ہر خیال میں ایک خاص مسرت اور خاص اذیت پنہاں ہے۔ عجیب بات یہ ہے مریم کہ میں جب تمہارے کان میں سرگوشی کرتا ہوں۔ "میرے پاس آؤ اور اپنے تمام دکھ یہاں انڈیل دو' میری چھاتی پر"۔ کبھی کبھار میں تم کو ایسے ناموں سے پکارتا ہوں جو شفیق باپ اور محبت کرنے والی مائیں ہی جانتی ہیں۔

میں تمہارے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو چومتا ہوں اور پھر تمہارے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر بوسہ دیتا ہوں۔ اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنی امان میں رکھے اور تمہاری حفاظت کرے' تمہارے دل کو نور سے بھر دے اور تمہیں ہمیشہ اپنے انتہائی عزیز لوگوں میں رکھے۔

جبران

نیویارک

۱۲؍ جنوری ۱۹۲۵ء

جانم!

اس مہینے کی چھ تاریخ کو ہر سیکنڈ اور ہر منٹ میں نے تمہاری یاد میں بتایا۔ میں وہ سب کچھ، جو مجھ سے کہا گیا، جو جانم اور جبران کی زبان میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ ایک زبان جسے جانم اور جبران کے علاوہ اس دنیا پر موجود کوئی اور شخص نہیں سمجھ سکتا۔ بلاشبہ تم جانتی ہوگی کہ اس سال کا ہر روز ہم دونوں میں سے کسی ایک کا یوم پیدائش تھا۔

امریکی دنیا کے سبھی لوگوں کے یوم پیدائش کا جشن منانے کے شائق ہیں۔ انہیں تحفے بھیجتے اور ان سے تحفے وصول کرتے ہیں۔ کسی وجہ سے جو مجھے معلوم نہیں ہے۔ امریکی ایسے موقعوں پر مجھ پر اپنی مہربانیوں کی بارش کرتے ہیں۔ اس مہینے کی چھ تاریخ کو میں ان کی انتہائی گرمجوش مہربانی سے گڑبڑا گیا اور شکرگزاری کے گہرے احساس سے مملو ہوگیا۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ جو لفظ میں نے تم سے اپنے لیے وصول کیا، وہ میرے لیے کسی بھی شے یا لفظ سے زیادہ قیمتی اور عزیز ہے، جو دوسرے مجھے دے سکتے ہیں۔ اسے خدا جانتا ہے اور تمہارا دل بھی۔

جشن منانے کے بعد ہم اکٹھے بیٹھ گئے، تم اور میں۔ دوسروں سے کٹے ہوئے، دیر تک گفتگو کرتے رہے، وہ سب کچھ کہتے رہے جو جذبے کے سوا نہیں کہا جا سکتا، اور وہ سب کچھ بھی جو کسی امید کے بغیر کہنا ممکن نہیں ہے۔ پھر ہم اوپر آسمان پر دور

ستاروں کو تکنے لگے اور خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد ہم طلوع آفتاب تک گفتگو کرتے رہے۔ تمہارا ہاتھ میرے دھڑکتے دل پر دھرا رہا۔ حتیٰ کہ دن نکل آیا۔

خدا تمہاری نگہبانی اور حفاظت کرے۔ مریم۔ وہ تمہیں اپنے نور کا جلوہ دکھائے' اور تمہیں تمہارے محبوب کی خاطر ہر آفت سے بچائے رکھے۔

جبران

بوسٹن

۲۸ر مارچ ۱۹۲۵ء

مے!

میں مینٹگنا کا بڑا پرستار ہوں۔ میرے خیال میں اس کی ہر پینٹنگ ایک خوبصورت غنائی نظم ہے۔ تمہیں اس شخص کی تصویریں دیکھنے کے لیے فلورنس، وینس اور پیرس کی ضرور سیر کرنی چاہیے۔ بڑی عجیب اور ہمہ جہت پینٹنگز ہیں۔ اتنی ہی نرالی، جتنی عظیم ہیں۔

خوبصورت عورت، شب بخیر۔

جبران

نیویارک

۳۰ مارچ ۱۹۲۵ء

مے!

میری اس چار ہفتوں کی خاموشی کا سبب میرا ہسپانوی بخار تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں تھی۔

مجھے یہ بات بڑی مشکل، بہت زیادہ مشکل معلوم ہوتی ہے کہ میں اپنی کسی بھی بیماری کا کسی سے ذکر کروں۔ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو میری بس ایک خواہش ہوتی ہے کہ میں سب کی نظروں سے چھپ جاؤں۔ ان کی نظروں سے بھی، جن سے میں محبت کرتا ہوں یا جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے میری بیماری کا بہترین علاج مکمل تنہائی ہی ہے۔

تاہم اب میں ٹھیک ہوں۔ شاید محض "ٹھیک" کی نسبت کہیں زیادہ اچھا۔ میں اپنے ان خفیہ جذبات کو نہیں چھپا سکتا کہ میری صحت اب بہترین ہے۔ یہ بشری سے آئے ہوئے کسی بھی جفاکش مرد کا جواب دینے کا انداز ہے۔ جب اس سے یہ سوال کیا جائے کہ وہ کیسا ہے؟

"ا لصحیح" کا تازہ شمارہ حسب دستور دیر سے چھپا ہے۔ اس صبح میری رسالے کے مدیر / مالک سے فون پر بات ہوئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ ہر رسالہ چاہے، وہ خاص نمبر نہ ہو، باقاعدگی کے ساتھ تمہیں بھیجتا رہتا ہے۔

یہ تمہاری نظر میں ایک مبالغہ انگیز بات ہوگی کہ وہ مدیر اس وجہ سے تم سے ناراض ہے کہ تم نے اس کے خاص نمبر کے لیے اپنا کوئی مضمون ارسال نہیں کیا۔

آخر تم کیسے سوچ سکتی ہو کہ کوئی شخص تمہاری وجہ سے یہاں نیویارک میں مجھ پر خفا ہوگا؟ میں یہ بات ہزارہا مرتبہ لکھ چکا ہوں "ہم فنکار لوگ کوئی پیداواری ملیں نہیں ہیں کہ جن میں تم ایک سرے سے روشنائی اور کاغذ ڈالو گے تو دوسرے سرے سے تمہیں مضامین اور نظمیں لکھی ہوئی ملیں گی۔ ہم تبھی لکھتے ہیں جب ہمیں اس کی خواہش ہوتی ہے۔ نہ کہ جب آپ کو ضرورت ہو' سو ہم پر مہربانی کرو اور ہمیں تنہا چھوڑ دو۔ کیونکہ ہم تمہاری دنیا سے مختلف ایک دنیا کے لوگ ہیں۔ تم ہم میں سے نہیں ہو اور نہ ہم تم میں سے ہیں"۔ میرے اس درشت لہجہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مذاق کی بات ایک طرف رہی' کیا تم نے خود مشاہدہ نہیں کیا کہ یہ اخبارات اور رسائل کے مدیران ادیب کو فونوگراف سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ خود اسی قسم کے صوتی آلے جیسا سوچ کا نظام رکھتے ہیں۔

یہاں نیویارک میں موسم بہار کا آغاز ہے۔ فضا میں ایک طرح کی بیداری اور سحر موجود ہے۔ ماحول پرہوش اور دن کے نور سے بھرا ہوا ہے۔ مضافات میں سیر کے لیے جانے کے وہی معنی ہیں' جو ان راہبوں اور راہباؤں کی سیر کے ہوتے ہیں جو وہ اقتضاء کی غار کی میں ہیں۔

چند ہی دنوں میں عیسیٰ مسیح پھر سے جی اٹھیں گے اور زیر زمین دفن لوگوں کو حیات کا عطیہ دیں گے۔ سیب اور بادام کے درختوں پر بہار آئی ہوئی ہے اور جھرنوں اور ندیوں میں پھر سے وہی سریلے گیت لوٹ آئے ہیں۔

اپریل کے ہر دن میں تم ہر جگہ میرے ساتھ رہو گی اور اپریل کے بعد بھی ہر دن اور ہر رات تم میرے ساتھ رہو گی۔

پیاری مریم' خدا تمہیں خوش و خرم رکھے۔

جبران

نیویارک

مئی ۷ ۱۹۲۴ء

مے!

تم ایسے شخص کے بارے میں کیا کہو گی' جسے صبح بیدار ہونے پر اپنے ایک محبوب دوست کا خط سرہانے پڑا ملتا ہے۔ وہ باآواز بلند پکارتا ہے "صبح بخیر' خوش آمدید"۔ پھر وہ ایک پیاسے انسان کی سی طمع کے ساتھ' جسے پانی کی مشک مل جائے' اس خط کو کھولتا ہے۔ اندر سے شاوقی بےؒ کی جغرافیہ پر ایک نظم ملتی ہے۔

بہرکیف' مجھے حلیم آفندی دموس کی ایک طویل اور دلچسپ نظم ملے گی' جس پر ایک تفصیلی تبصرہ لکھ کر میں وہ تمہیں ارسال کر دوں گا۔

اگر شاوقی کی نظم مجھے یکم اپریل کو ملتی تو میں اس مذاق کو خوب سراہتا اور خود سے ضرور کہتا "کیسی شاندار لڑکی ہے اور بین الاقوامی ڈاک کے نظام کے بارے میں کتنا جانتی ہے" لیکن نظم یکم مئی کو مجھے موصول ہوئی۔ یہ تو گلابوں کا مہینہ ہے۔ میں غصے میں اپنے ہونٹ کاٹنے کے سوا بھلا اور کیا کر سکتا تھا (اکثر لوگ غصے میں ایسی ہی حرکت کرتے ہیں) طیش میں چیختا' گالیاں بکتا اور اپنے گھر میں خوب اودھم مچاتا۔

میں تم سے پوچھتا ہوں کہ "میں اگر تمہیں معاف کر دوں تو پھر باقی دن میں کیسے گزاروں گا؟" تمہاری شاعرہ نے میرے منہ کو گرد سے بھر دیا تھا۔ مجھے یہ ذائقہ بدلنے کے لیے کافی کے بیس کپ اور بیس سگریٹ پینے پڑے۔ یہی نہیں مجھے کیٹس' شیلے اور بلیک کی بیس نظمیں پڑھنی پڑیں اور ایک نظم مجنوں لیلیٰ کو بھی۔

ان باتوں کو چھوڑو۔ اپنا ہاتھ کھولو' ایسے--- جس طرح سبھی کھولتے ہیں۔

جبران

نیویارک

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۹ء

مے' میری پیاری دوست'

مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ تمہاری والد سنہری افق سے پرے مراجعت کر گئے ہیں اور انہوں نے بالآخر اس مقصد کو حاصل کر لیا ہے جس کی طرف ہم سب سفر کر رہے ہیں۔ میں تمہیں کیسے دلاسہ دوں؟ مے' تم اپنے خیالات میں اعلیٰ تر ہو اور تم نہیں چاہو گی کہ تم سے روایتی انداز میں تعزیت کی جائے۔ میری بڑی خواہش ہے کہ میں تمہارے سامنے آؤں' خاموشی کے ساتھ تمہارے ہاتھوں کو تھام لو' تمہاری روح میں بھرے احساسات کو محسوس کروں' تمہارے اتنے قریب ہو جاؤں' جتنا کوئی ہو سکتا ہے اور تمہارے غم کو بانٹ لو۔

خدا تم پر اپنی رحمت کرے اور تمہیں ہمیشہ اپنی امان میں رکھے اور تمہارے دوستوں کے لیے تمہاری نگرانی کرے۔

جبران

مے زیدہ بنام خلیل جبران

قاہرہ، مصر

۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

جبران،

شادی کے موضوع پر میں تم سے متفق نہیں ہوں۔ جبران! میں تمہارے خیالات کی قدر کرتی ہوں اور تمہارے نظریات کا احترام کرتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم اپنے اصولوں کا دفاع کرتے ہوئے، جو نیک مقاصد پر استوار ہیں، بہت مخلص اور ایماندار ہو۔ میں اس بنیادی مصور پر جو آزادی نسواں کی حمایت میں ہے، تم سے مکمل اتفاق کرتی ہوں کہ ایک مرد ہی کی طرح عورت کو بھی آزاد ہونا چاہیے۔ اپنے شوہر کے انتخاب میں اپنے رشتہ داروں اور ہمسایہ داروں کی نصیحت اور اعانت کے بغیر اسے خود اپنے میلانات کی مناسبت سے فیصلہ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔ اپنے رفیق حیات کے انتخاب کے بعد عورت کو کلی طور پر اس شراکت داری کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے، جس کا اس نے بیڑہ اٹھایا ہے، خود کو وقت کر دینا چاہیے۔ تم اسے بھاری زنجیروں سے تعبیر کرتے ہو جو صدیوں سے عورت پہنے ہوئے ہے۔ ہاں میں تم سے متفق ہوں کہ واقعی یہ بھاری زنجیریں ہیں لیکن یاد رکھو یہ زنجیریں فطرت نے پہنائی ہیں، جس نے عورت کو، جو آج موجود ہے، تخلیق کیا ہے۔ گو انسان کا ذہن اب اس مقام پر جا پہنچا ہے، لیکن یہ ابھی اس مقام پر نہیں پہنچا جہاں یہ فطری بندشوں سے خود کو مکت کر سکے، کیونکہ فطرت سب سے بااختیار ہے۔ آخر کیوں ایک بیاہتا عورت اس شخص سے، جس سے وہ محبت کرتی ہے، چھپ کر نہیں مل سکتی ہے؟

کیونکہ اس کا ایسا کرنا دراصل اپنے شوہر سے بے وفائی ہے۔ اور یوں وہ اس نام کی بھی توہین کی مرتکب ہو رہی ہے۔ جسے اس نے اپنی منشاء سے قبول کیا ہے اور یوں وہ خود کو معاشرے کی نگاہ میں، جس کی وہ ایک رکن ہے، کم تر بنائے گی۔

شادی کے موقع پر عورت باوفا ہونے کا عہد کرتی ہے۔ روحانی وفاداری کی وقعت جسمانی باوفائی سے کم نہیں ہے۔ نکاح کے وقت وہ اپنے شوہر کی مسرت اور خوش حالی کی حفاظت کا بھی عہد کرتی ہے۔ سو اگر وہ کسی مرد سے خفیہ طور پر ملتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے، خاندان اور فرض سے روگردانی کی مرتکب ہوتی ہے۔ تم نے یہ سنا ہی ہوگا "فرض ایک مبہم لفظ ہے، مختلف طرح کی صورت احوال میں تعریف کرنا دشوار ہے"۔ اس طرح کے معاملے میں ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ "خاندان سے کیا مراد ہے"۔ تاکہ ہم اس کے اراکین کے فرائض کا تعین کر سکیں۔ وہ کردار جو عورت خاندان میں ادا کرتی ہے، انتہائی کٹھن، انتہائی نفیس اور انتہائی تلخ ہے۔

میں خود ان زنجیروں کے بوجھ کو محسوس کرتی ہوں جو عورت کو نیچے دباتی ہیں۔ یہ عمدہ ریشمی تاریں مکڑی کے جالے کی مانند ہیں۔ لیکن طلائی تاروں جتنی مضبوط ہیں۔ فرض کیجیے ہم سلمٰی کرامے کو، جو تمہارے ناول کی ہیروئن ہے اور ہر اس عورت کو، جو سلمٰی سے محبت اور ذہانت میں مشابہہ ہے، ایک عمدہ کردار کے ایماندار مرد سے خفیہ طور پر ملنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اس سے بات نہیں بنے گی چاہے ان کی خفیہ ملاقات کا مقصد عیسیٰ مسیح کے مقبرے کے سامنے بیٹھ کر اکٹھے عبادت کرنا ہی کیوں نہ ہو۔

مے زیدہ